اسلم راہی ایم اے

حضرت داوٗد علیہ السلام
اسلم راہی ایم اے
PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

نام کتاب ـــــ حضرت داؤدؑ

تحریر ـــــ اسلم راہی ایم اے

ناشر ـــــ شمع بک ایجنسی

پرنٹر ـــــ برکت اینڈ سنز

سن اشاعت ـــــ

قیمت ـــــ 40/- روپے

Ph:32773302

انبیاء اور رسولوں میں سے حضرت آدم کے علاوہ صرف داؤدؑ پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خلیفہ کے لقب سے پکارا۔ مفسرین اور مورخین، تحقیق اور کاوش کے بعد حضرت داؤد کی اس امتیازی خصوصیت کی حکمتیں بتاتے ہیں۔

پہلی یہ کہ جب بنی اسرائیل میں صدیوں سے قائم شدہ رسم کے خلاف حضرت داؤد میں نبوت ورسالت کے ساتھ حکومت سلطنت بھی جمع کردی گئی تو ضروری تھا کہ ان کو ایک ایسے لقب سے پکارا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور علم وقدرت کا مظہر اتم ہونے پر صراحت کرتا ہو۔ ظاہر ہے اس کے لئے شریعت حقہ کی اصطلاح میں خلیفہ سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہوسکتا تھا۔

دوسری حکمت یہ تھی کہ آپ کو حکومت اور بادشاہت کے ساتھ ساتھ خداوند قدوس کی طرف سے کیونکہ نبوت اور زبور کی صورت میں کتاب بھی عنایت کی گئی تھی لہٰذا خداوند قدوس نے آپ کی ذات میں نبوت اور رسالت کے علاوہ حکومت اور بادشاہت کے جمع ہونے سے آپ کو خلیفہ کہہ کر پکارا۔ علامہ ابن کثیر

کے مطابق آپ کا شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے۔ داؤد بن یسی بن عوبد بن عابر بن سلمون بن نحسون بن اونیازب بن ارم بن حسرون بن فارس بن یہود بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔ جس وقت حضرت داؤد کو نبوت اور بادشاہت سے خداوند قدوس نے سرفراز نہیں فرمایا تھا اس وقت بنی اسرائیل کے اندر سموئیل کے نام کے پیغمبر موجود تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت یوشع بن نون کے زمانے میں بنی اسرائیل جب سرزمین فلسطین میں داخل ہو گئے تو انہوں نے خدا کے حکم سے ان کے درمیان اس علاقے کو تقسیم کر دیا تاکہ وہ امن اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کریں اور دین حق کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

حضرت یوشع بن نون آخر عمر تک ان کی نگرانی اور اصلاح حال میں مصروف رہے اور ان کے معاملات اور باہمی مناقشات کے فیصلوں کے لئے قاضیوں کو مقرر کیا کرتے تھے تاکہ وہ آئندہ بھی اس طرح اپنا نظام قائم رکھیں۔

حضرت موسیٰ کی وفات سے تقریباً ساڑھے تین سو سال تک یہ نظام یونہی قائم رہا کہ خاندانوں اور قبیلوں میں سردار حکومت کرتے اور ان کے مناقشات ان کے جھگڑے اور ایسے ہی معاملات کے فیصلے قاضی انجام دیتے تھے اور نبی ان تمام امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ دین کی دعوت اور تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ خداوند قدوس کے فضل سے ان ہی میں سے کسی قاضی کو منصب نبوت عطا ہو جاتا تھا اور اس تمام عرصے میں بنی اسرائیل کا کوئی نہ کوئی بادشاہ ہوتا تھا اور نہ تمام قوم کا ایک حکمران اور اسی لئے ہمسایہ قومیں اکثر و بیشتر

ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور وہ ان کے ظلم کا نشانہ بنتے رہے تھے۔

چنانچہ بادشاہ اور حکمران نہ ہونے کی وجہ سے کبھی اعمالیقی، کبھی فلسطینی، کبھی مدیانی، بنی اسرائیل پر چڑھ دوڑتے تھے اور کبھی آرامی ان پر حملہ آور ہو جاتے تھے اور ان میں سے کسی حملہ آور کو ہزیمت بھی ہو جاتی تب بھی وہ آئے دن چھاپے مارتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا کہ کبھی یہ فاتح پا جاتے اور کبھی وہ مغلوب ہو جاتے تھے۔

یہاں تک کہ چوتھی صدی عیسوی میں بنی اسرائیل کے ایلی کاہن کے زمانے میں غزہ کی فلسطینی قوم نے ان پر زبردست حملہ کیا اور بنی اسرائیل کو شکست دے کر بنی اسرائیل کا متبرک صندوق جسے تابوت سکینہ بھی کہتے تھے چھین کر لے گئے اس متبرک صندوق میں توریت کا اصل نسخہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے عصا اور پیراہن اور من کا مرتبان محفوظ تھے فلسطینیوں نے اس کو اپنے مشہور مندر بیت دجون میں رکھ دیا یہ مندر ان کے سب سے بڑے دیوتا دجون کے نام سے موسوم تھا دجون کا چہرہ انسانی تھا دھڑ مچھلی سے مرکب تھا اور اسی مندر میں نصب تھا نجار مصری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ کے قریب آج بھی ایک بستی بیت دجون کے نام سے موجود ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ توریت میں دجون کے جس مندر کا ذکر ہے یہ وہی واقعہ ہوگا اور اسی نسبت سے اس کا نام بھی بیت دجون رکھا گیا۔

چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے کاہن ایلی کا جب زمانہ ختم ہو چکا تو ایک قاضی جس کا نام سموئیل تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت عطا فرمایا او

روہ بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے معمور ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب
بنی اسرائیل کے پیغمبرؑ وفات پا گئے تو مصر اور فلسطین کے درمیان بحرہ روم اور
آباد اعمالقہ نام کے عرب قبائل بنی اسرائیل پر حملہ آور ہوئے اور بنی اسرائیل
کو مغلوب کر کے ان کی آبادیوں پر قبضہ کرلیا اور ان کے بہت سے سرداروں
اور قبیلہ کے معزز لوگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گئے اور باقی کو مقہور و مغلوب
کر کے ان پر خراج مقرر کر دیا۔

ان حملہ آوروں نے توریت کو بھی برباد کر دیا بنی اسرائیل کے لئے یہ ایسا
نازک دور تھا نہ کوئی نبی اور رسول ان میں موجود تھا اور نہ سردار اور امیر ہی۔ کوئی تھا
تو خاندان نبوت میں ایک حاملہ عورت کے علاوہ کوئی باقی نہ تھا مگر اس نکبت
وادبار کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان پر فضل وکرم فرمایا اور اس عورت کے بطن
سے ایک بچہ پیدا ہوا اس کا نام سموئیل رکھا گیا اس کی تربیت کا بار بنی اسرائیل
کے ایک بزرگ نے اپنے ذمے لیا۔ سموئیل نے ان سے توریت حفظ کی اور دینی
تعلیم کے مدارج طے کئے جب سن رشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں ممتاز
اور نمایاں نظر آنے لگے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا
اور بنی اسرائیل کی ہدایت اور رشد پر مامور کیا۔

حضرت داؤد کو جس وقت بادشاہت اور نبوت عطا نہیں ہوئی تھی تاہم وہ
خاصے بڑے ہو چکے تھے اس وقت یہی سموئیل ہی بنی اسرائیل کے رہبر و رہنما
اور نبی تھے۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ سموئیل حضرت ہارون کی نسل سے تھے اور ان

کا نام عربی میں اسماعیل بنتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بات سننے والا۔
چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بنی اعمالقہ کے ظلم وستم بنی اسرائیل پر جاری
رہے تو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سموئیل سے درخواست کی کہ وہ ہم میں ایک
بادشاہ مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم ظالموں کا مقابلہ کریں اور جہاد فی سبیل
اللہ کے ذریعے دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کر دیں، توریت میں بنی
اسرائیل کے اس مطالبے کی وجہ کچھ یوں بیان کی جاتی ہے۔

اور ایسا ہوا کہ جب سموئیل بوڑھا ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ
اسرائیل کی عدالت کریں اور اس کے بیٹے کا نام یوایل تھا اور دوسرے بیٹے کا نام
ابیا۔ وہ دونوں بیرسبع میں قاضی تھے پر اس کے بیٹے اس کی راہ پر نہ چلے بلکہ نفع
کی پیروی کرتے، رشوت لیتے اور عدالت میں طرف داری کرتے تھے تب
سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر سموئیل نبی کے پاس آئے اور کہا دیکھ تو بوڑھا
ہو چکا ہے اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے اب کسی اور کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو
ہم پر حکومت کیا کرے جیسا کہ سب قوموں میں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ بات ان کے نبی سموئیل کو بہت
ناگوار گزری اور انہوں نے فرمایا۔

اگر تم میں بادشاہ مقرر ہو گیا تو وہ سب کو اپنا خادم اور غلام بنائے گا۔

لیکن بنی اسرائیل کا اصرار بڑھتا ہی رہا اور آخر سموئیل نے اللہ سے دعا
مانگ کر بنیامین کی نسل میں سے ساؤل یعنی طالوت نامی ایک شخص کو بادشاہ مقرر
کر دیا جو نہایت وجیہ اور قوی ہیکل تھا۔

مشہور مورخ ثعلبی نے طالوت کا نسب نامہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

ساؤل یعنی "طالوت بن قیس بن افیل بن سارو بن طہورت بن افہی بن انلیس بن بنیامین بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم" قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے اس مطالبے پر حضرت سموئیل کے جواب کو اس طرح لکھا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ جب تم پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور وہ تم کو دشمنوں کے مقابلے میں جہاد کا حکم دے تو تم بزدل ثابت ہو اور تم جہاد سے انکار کر جاؤ۔ بنی اسرائیل نے بڑی قوت کے ساتھ جواب دیا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جہاد سے انکار کر دیں جبکہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ ہم کو دشمنوں نے بہت ذلیل کر دیا ہے اور انہوں نے ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا اور ہماری اولاد تک کو قید کر دیا۔

جب حضرت سموئیل نے اتمام حجت کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کیا حق تعالیٰ نے ان کو مطلع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی درخواست منظور ہوئی اور ہم نے طالوت کو جو علمی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بنی اسرائیل میں نمایاں ہے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو منہ بنانے لگے اور ناگواری سے کہنے لگے یہ شخص تو غریب ہے مالدار نہیں ہے کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے اور دراصل بادشاہ کے لائق تو ہم ہیں ہم میں سے ہی کسی کو بادشاہ مقرر کریں۔

مورخین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عرصہ سے نبوت کا سلسلہ حضرت یعقوب کے بیٹے لاوی کی حکومت اور سرداری کا سلسلہ حضرت یعقوب کے دوسرے بیٹے یہودہ میں چلا آ رہا تھا اب جبکہ سموئیل نبی کے ارشاد کے مطابق یہ

ہے۔ مگر خود یہودی اور اسرائیلی مورخین کا کہنا ہے کہ بت پرستی کی ابتداء صحیح معنوں میں قدیم یہودیوں سے ہوئی آج ہی یہودی اور عیسائی مختلف بت بناتے اور اپنے معبدوں میں سجاتے ہیں۔

یوں تو بت پرستی دنیا بھر میں کسی نہ کسی طور رائج رہی مگر اس کی شرک کی لپیٹ میں سب سے زیادہ ہندی یونانی اور عرب اقوام آئیں ہندوستان میں سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کے بت تراشے گئے دراوڑوں، آریاؤں اور براہمنوں یا بدھ مت کے پیروکاروں نے مذہبی عبادت کے لیے بت کو اہم حیثیت دی۔

ہر ذات اور ہر گھرانے کے لئے علیحدہ پوجا مذہب کا حصہ ٹھہرا اور یوں ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تاہم ان کے تین بڑے دیوتا برہما، وشنو اور شیو تھے بدھ مت اور جین مت میں گومہاتما بدھ اور مہادیو کے بت بنا کر پوجے گئے۔

یونانیوں کے ہاں انسانی شکل وصورت کے دیوتاؤں کے بت بنائے جاتے تھے یہ تعداد میں بارہ تھے ان میں سے سات دیوتا اور پانچ دیویاں تھیں آسمان کے دیوتا کو یورانس اور زمین کی دیوی کو جے کا نام دیا گیا تھا۔ دیوتا زیوس، اوزیڈان، اپالو، ہرمیس، ایکٹاس، ایرس تھے اور دیویاں میرا، ڈمیٹر، آ کمس، رتھنی اور ایفروڈائٹ تھیں۔

بت پرستی کے سلسلے میں عربوں کے طریقے مختلف تھے ان میں بت پرستی کو فروغ عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی آویزش سے ہوا، عیسائیوں کے ہاں مصر اور یونان کی بت پرستی کے آثار نمایاں تھے کلیساؤں میں اکثر صنم رکھے جاتے تھے یہی چیز عربوں کے ہاں در آئیں اور ہر قبیلے نے عبادت کے لئے بت

تراشنے شروع کر دیئے انہیں صنم اور نصب کہا جاتا تھا اہم خیال تھا کہ یہ بت آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔

عربوں کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ بت خدا اور بندگان خدا کے درمیان وسیلہ کا باعث ہیں مرکزی اتحاد کی خاطر مختلف قبائل نے اپنے بت بنا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیئے تھے ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد فتح مکہ کے وقت تین سو ساٹھ تھی۔

ابن ہشام لکھتے ہیں کہ عربوں میں بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمر بن لحی تھا جو شام کی سرزمین تجارت کے لئے گیا اسے عمالیقیوں کی بت پرستی پسند آئی اور وہ ان سے ہبل نامی ایک بت لے آیا جسے خانہ کعبہ کی چھت پر رکھ دیا گیا تا کہ عرب اس کی عبادت کریں۔

دوسرے بتوں میں سے لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا، عزا بنو قریش بنو کنعانہ، کا منات قبیلہ اور اس فزرج کا یغوث بنو غطیف کا یعوق جنوبی عرب کے قبائل کا سداع، بنی ہذیل کا اور حدا یک جنگلی دیوتا تھا۔

ان میں سے ود، سداع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر قرآن مقدس میں بھی آیا ہے ان کے بتوں کی پرستش طوفان نوح کے تھوڑے ہی عرصے بعد سے ہو رہی تھی جسے عربوں نے فروغ بخشا، اسلام نے نا صرف بت پرستی کا قلع قمع کیا بلکہ عرب کی سرزمین کو ان کے بتوں کے وجود سے بھی پاک کر ڈالا۔

بت بنانا مٹی یا پتھر کے صنم بنانا اسلام میں اس قسم کے کام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بت تراشی کسی بھی صورت اسلامی روح کے مطابق نہیں کیونکہ اس سے

منجانب اللہ ہے تو اس کے لئے اللہ کا کوئی نشان دکھایئے۔

حضرت سموئیل نے فرمایا اگر تم کو اللہ کے اس فیصلے کی تصدیق مطلوب ہے تو اتمام حجت کے لئے وہ بھی تم کو عطا کی جا رہی ہے اور وہ یہ کہ جو متبرک صندوق یعنی تابوت سکینہ تمہارے ہاتھوں سے چھن گیا ہے اور جس میں توریت حضرت موسیٰ اور ہارون کے تبرکات محفوظ ہیں وہ طالوت کی بدولت تمہارے پاس واپس آ جائے گا اور حکمت الٰہی سے ایسا ہو گا کہ تمہاری دیکھتی آنکھوں سے فرشتے اس کو اٹھا لائیں گے اور وہ دوبارہ تمہارے قبضے میں آ جائے گا۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کی اہلیت کی نشانی یہ ہے کہ جو مقدس تابوت تم کھو چکے ہو اور دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے وہ واپس آ جائے گا فرشتے اس کو اٹھا لائیں گے اس تابوت میں تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے لئے فتح اور نصرت کی طمانیت موسیٰ اور ہارون کے گھرانوں کی یادگاروں کا بقیہ ہے بلاشبہ اس واقعہ میں تمہارے اللہ کا بہت بڑا نشان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

چنانچہ حضرت سموئیل کی یہ بشارت آخر کار سامنے آئی اور بنی اسرائیل کے سامنے ملائکہ اللہ کے فرشتوں نے تابوت سکینہ ان کے سامنے پیش کر دیا اس طرح یہ ظاہر ہو گیا کہ اگر وہ حضرت سموئیل کے اس اعلانی فیصلے کو قبول کر لیا تو کامیابی اور کامرانی یقینی اور حتمی ہے۔

توریت میں تابوت سکینہ کی واپسی کی داستان جس پیرائے میں بیان کی گئی

ہے وہ بہت دلچسپ ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

توریت میں لکھا ہے جب دجون دیوتا کے مندر میں تابوت سکینہ کو لاکر رکھا گیا اس وقت سے فلسطینیوں نے روزانہ یہ منظر دیکھا کہ جب صبح کو وہ اپنے معبود دجون کی عبادت کے لئے جاتے تو اس کو منہ کے بل اوندھا پڑا پاتے اور صبح کو جب وہ دوبارہ اپنی جگہ پر قائم کردیتے اور پھر شب گزرنے پر پھر اسی طرح اوندھا گرا ہوا پاتے۔

پھر ایک نئی بات ہوئی کہ اس شہر میں اتنی کثرت سے چوہے پیدا ہوگئے کہ انہوں نے ان کے تمام حاصلات کو خراب اور تباہ کردیا اور خاص قسم کی گلٹیوں کی وبا نے وہاں گھر کرلیا (یعنی طاعون کی بیماری پھیل گئی) جس سے سخت نقصان ہونے لگا فلسطینیوں نے جب کسی طرح ان باتوں سے نجات نہ پائی تو غور و فکر کے بعد کہنے لگے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہم پر یہ تمام نحوست اس صندوق کی وجہ سے ہے لہٰذا اس کو یہاں سے نکالو۔

یہ سوچ کر فلسطینیوں نے اپنے کاہنوں اور نجومیوں کو جمع کیا اور ان سے تمام واقعات بیان کرکے علاج کا مطالبہ کیا کاہنوں اور نجومیوں نے کہا کہ اس کا صرف یہی علاج ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو تابوت کو یہاں سے ہٹادو اور اس کی صورت یہ ہے کہ سونے کے سات چوہے بنائے جائیں اور سات گلٹیاں اور ان کو ایک گاڑی میں تابوت کے ساتھ رکھ دیا جائے اور گاڑی میں ایسی گائے جوڑی جائیں جو دودھ دیتی ہوں اور ان کو بستی کے باہر لے جاکر سڑک پر چھوڑ دیا جائے کہ جس جانب ان کا رخ ہو اس صندوق کو وہ لے جائیں۔

چنانچہ فلسطینیوں نے ایسا ہی کیا اللہ کی قدرت دیکھئے کہ وہ گائے خود بخود ایسے رخ پر چل پڑیں جو بنی اسرائیل کی بستیوں کی جانب تھا آخر چلتے چلتے ایک ایسے کھیت پر جاکھڑی ہوئیں جہاں اسرائیلی اپنا کھیت کاٹ رہے تھے اسرائیلیوں نے جب صندوق کو دیکھا تو مسرت اور خوشی سے پھول گئے اور دوڑے دوڑے شہر شمت میں جاکر خبر کی اور اس کے بعد یہودی آکر اس کو بڑے احترام سے لے گئے اور ابرایندآب کے گھر پر جو ٹیلے پر واقع تھا بحفاظت اس کو رکھ دیا۔

کچھ مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ملائکہ اللہ کی رہنمائی میں اس صندوق کی گاڑی کو بغیر کسی قائد اور سائق کے منزل مقصود پر لے آئے۔ لیکن کچھ مورخین کا خیال ہے کہ قرآن اور بائبل مضامین کی تطبیق میں یہ تاویل اگرچہ بہت خشک معلوم ہوتی ہیں تاہم تاویل باطل ہے اور نصِ قرآنی اس کا انکار کرتی ہے۔

اس لئے قرآن مجید کے بیان کا حاصل تو یہ ہے کہ تابوت سکینہ کی واپسی طالوت کی حکمرانی کے لئے اللہ کا ایک نشان ہے جو سموئیل کے ہاتھ پر اس طرح ظاہر کیا گیا تھا مگر توریت کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گاڑی میں جوتی گئی گائیں بیت شمس کی سڑک پر لے جاکر چھوڑ دی گئی تھیں البتہ انہوں نے دائیں بائیں رخ نہ کیا اور سیدھی چلتی رہیں حتیٰ کہ بیت شمس کے سامنے کھیتوں میں جاکھڑی ہوئیں جو فلسطینیوں کی حدود کے بعد پہلی سرحدی اسرائیل بستی تھی اور اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ فلسطینی اس گاڑی کے پیچھے پیچھے بیت شمس کی سرحد تک

گئے اور جب گاڑی بیت شمس کے کھیتوں میں چلی گئی تب وہ واپس ہو لئے۔

توریت میں مزید لکھا ہے کہ ان گایوں نے بیت شمس کی سڑک کی سیدھی راہ لی اور اس شاہراہ پر چلتے ہوئے دائیں یا بائیں طرف نہ مڑیں اور فلسطینی ان کے پیچھے بیت شمس تک گئے اور بیت شمس کے لوگ وادی میں گندم کی فصل کاٹ رہے تھے انہوں نے جو آنکھیں اوپر کیں تو صندوق دیکھا اور تابوت کے حاصل ہونے کا یہ طریقہ بلاشبہ معجزہ نشان کی حیثیت رکھتا ہے خصوصاً توریت میں یہ بھی تصریح ہے کہ بیت دجون کے کاہن اس کے پیچھے پیچھے اسرائیلی کھیتوں کے قریب تک آئے نیز قرآن مجید ہرگز اس کے لئے زوردار جملہ نہ کہتا کہ بلاشبہ تمہارے لئے اس میں بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کے طرز بیان اور اس کے نظم کلام سمجھنے کا جس کو معمولی سا بھی ذوق ہو وہ بہت آسانی کے ساتھ جان سکتا ہے کہ اگر تابوت سکینہ بائبل کے بیان کردہ واقعہ کے مطابق حاصل ہوا تھا تو قرآن مجید اس کو فرشتوں کے اٹھالانے سے تعبیر نہ کرتا بلکہ فرشتوں کی رہنمائی یا اس قسم کا جملہ کہتا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ تابوت سکینہ فرشتوں کی رہنمائی میں پہنچ جائے گا۔

اور اگر بالفرض توریت کی اس تفصیل کو صحیح مان لیا جائے تب ہی اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ جب بیت دجون میں دجون دیوتا کا بت تابوت سکینہ کی موجودگی میں روزانہ اوندھے منہ گر جاتا تھا اور اس واقعہ کی بدولت تابوت کو سرزمین دجون سے نکالا گیا تو یہ بھی بہرحال اسی قسم کا معجزہ اور نشان ہے جو ظاہری اسباب کے بغیر دجون کے مندر میں ظاہر ہوتا رہا لہٰذا جو شخص اس واقعہ کی

پوری تفصیل کو صحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے وہ ضرور کہے گا کہ اللہ کے فرشتے آنکھوں دیکھتے اس کو اٹھا لائے۔

اب بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت نے بنی اسرائیل کو یہ عام پیغام دیا کہ وہ دشمنوں یعنی فلسطینیوں کے مقابلے کے لئے نکلیں جب بنی اسرائیل طالوت کی سرکردگی میں روانہ ہوئے تو بنی اسرائیل کی آزمائش کا ایک اور مرحلہ پیش آیا اور وہ یہ کہ طالوت نے یہ سوچا کہ جنگ کا معاملہ بے حد نازک ہے اور اس میں بعض مرتبہ ایک شخص کی بزدلی یا منافقانہ حرکت پورے لشکر کو تباہ کر دیتی ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے اس گروہ کو جہاد سے پہلے آزما لیا جائے کہ کون شخص تعمیل حکم، ضبط نفس، صداقت اور اخلاص کا حامل ہے اور کس میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے اور وہ بزدل اور کمزور ہے تاکہ ادائے فرض سے پہلے ہی ایسے عناصر کو الگ کر دیا جائے۔

کیونکہ یہاں صبر وثبات اور اطاعت فرمانبرداری اصل ہے لہٰذا جو شخص معمولی پیاس میں ضبط وصبر پر قدرت نہیں رکھتا وہ جہاد جیسے نازک معاملے میں کس طرح ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

چنانچہ جب یہ گروہ ایک ندی کے کنارے پہنچا، بعض کا خیال ہے کہ دریائے اردن کے کنارے پہنچا تو طالوت نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس نہر کے ذریعے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ کوئی شخص اس سے جی بھر کر پانی نہ پیئے لہٰذا جو شخص اس کی خلاف ورزی کرے گا اللہ کی جماعت سے نکال دیا جائے گا اور جو تعمیل ارشاد کرے گا وہ جماعت میں شامل رہے گا البتہ سخت پیاس

کی حالت میں گھونٹ بھر پانی پی کر حلق تر کر لینے کی اجازت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

جب طالوت لشکریوں کو لے کر روانہ ہوا تو اس نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم کو نہر کے پانی کے ذریعے آزمائے گا پس جو شخص اسے سیراب ہو کر پیے گا وہ میری جماعت میں نہیں رہے گا جو ایک چلو پانی کے سوا اس کو سیراب ہو کر نہیں پیئے گا وہ جماعت میں رہے گا پھر تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ سب نے اس نہر سے سیراب ہو کر پانی پیا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ دریائے اردن میں پیش آیا۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ایک بار سب صحابہؓ سے حضور پاک ﷺ باتیں کر رہے تھے کہ اصحابؓ بدر کی تعداد اصحابؓ طالوت کے برابر ہے بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ لشکر جب ندی کے پار ہو گیا جن لوگوں نے خلاف ورزی کر کے پانی پی لیا تھا وہ کہنے لگے ہم میں فلسطینیوں کے قوی ہیکل بادشاہ اور اس کی جماعت سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے لیکن جن لوگوں نے ضبط نفس اطاعت امیر کا ثبوت دیا تھا انہوں نے بے خوف ہو کر کہا۔

ہم ضرور دشمن کا مقابلہ کریں گے اس لئے اللہ کی قدرت کا مظاہرہ اکثر ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی پر غالب آجاتی ہیں البتہ اللہ پر ایمان اور اخلاص وثبات شرط ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ وہ لوگ جو حکم الٰہی پر سچا ایمان رکھتے تھے

ندی کے پار اترے تو ان لوگوں نے جنہوں نے طالوت کی نافرمانی کی تھی کہا۔

ہم میں یہ طاقت نہیں کہ آج جالوت سے اور اس کے لشکر سے مقابلہ کر سکیں لیکن وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے پکار اٹھے تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت سے ہراساں کیوں ہوتے ہو کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

چنانچہ اسرائیلیوں کے بادشاہ طالوت کا لشکر آگے بڑھا اور دشمن کی فوج کے مقابل صف آراء ہوا دشمن کے لشکر کا سردار جالوت نامی دیوہیکل شخص تھا جس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اخلاص وعاجزی کے ساتھ دعا کی کہ دشمن کو شکست دے اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور اپنی فتح ونصرت سے شادکام بنا توریت اور کتب سیریت میں ہے کہ جالوت کی غیر معمولی شجاعت اور بہادری نے بنی اسرائیل کو متاثر کر رکھا تھا اور اس کی مبارز طلبی کے جواب میں جھجک محسوس کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے لشکر میں ایک ایسا نوجوان بھی تھا جو بظاہر کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتا تھا اور نہ ہی شجاعت اور بہادری میں کوئی خاص شہرت کا مالک تھا یہ حضرت داؤد تھے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے والد کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور شریک جنگ کے ارادے سے دوسرے اسرائیلیوں کے حالات کی تحقیق کے لئے بھیجے گئے تھے مگر جب انہوں نے جالوت کی شجاعانہ مبارز طلبی اور اسرائیلیوں کی پس پیش کو دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا اور طالوت سے اجازت چاہی کہ

جالوت کا جواب دینے کے لئے ان کو موقع دیا جائے طالوت نے کہا تم ابھی ناتجربہ کار کم عمر ہو اس لئے عہدہ براں نہیں ہو سکتے۔

مگر جب حضرت داؤد کا اصرار بڑھتا ہی رہا تب طالوت نے انہیں جالوت کا مقابلہ کرنے کی اجازت دے دی۔

طالوت خود بھی بڑا قد آور دلیر اور گرانڈیل تھا مگر اس کے مقابلے میں فلسطینیوں کا بادشاہ جالوت ایک دیو پیکر انسان تھا اور پھر ان دنوں فلسطینیوں کی عسکری طاقت اور قوت بھی اپنے عروج پر تھی ارض فلسطین کے پانچ بڑے شہر غزہ اسکالان، اشدود، اکردن اور جست پر ان کا قبضہ تھا ان فلسطینیوں کی پالیسی یہ تھی کہ ساحل سے نزدیک تر رہیں صرف جست ان کا ایسا شہر تھا جو زیادہ اندرون ملک میں واقع تھا ساحل سے قریب رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمندر سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے تھے اور عقبی پہاڑیوں میں انگوروں کی کاشت کرتے تھے کوہ کرمل کو فلسطینیوں اور ان کے شمالی ہمسایوں فونیقیوں کے علاقوں میں حد فاصل کی حیثیت تھی انہی فلسطینیوں نے مزید پیش قدمی کی اور اپنے ساحلی علاقوں سے وہ آہستہ آہستہ اندرون ملک کی جانب پیش قدمی کرنے لگے تھے۔

چنانچہ انہوں نے بہت سے کنعانی شہروں پر قبضہ جما لیا اور ان کی آبادیوں سے ہتھیار رکھوا لئے مصر کے فرعونوں کی بے شمار تادیبی مہموں اور جبری وصولیوں نے شام کو مفلس اور قلاش بنا دیا تھا اور اس کی صلاحیت اور مزاحمت اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ نہ تو صحرا گرد جتھوں کے حملوں کی روک تھام ممکن تھی اور نہ دریا نورد جتھوں کو پیچھے ہٹایا جا سکتا تھا اگر مصر کی سامراجی حکومت کو شام پر پورا اقتدار

حاصل ہو جاتا تو عبرانی یا فلسطینی کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکتے جیسے کہ بعد میں انہوں نے کی۔

گیارہویں صدی قبل مسیح میں فلسطینیوں کی قوت کمال عروج پر پہنچ گئی تھی اور 1050ء میں شام کے قریب انہوں نے عبرانیوں کو شکست دی اور ان سے تابوت سکینہ چھین لیا جسے وہ اشدور لے گئے 1020ء کے آس پاس انہوں نے پہاڑی علاقوں میں فوجی چوکیاں قائم کر لیں چنانچہ بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت کے عہد میں ان کی سرحد تصرف اندرون ملک میں شام تک پہنچ گئی تھی اس کا مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت فلسطینیوں کو بنی اسرائیل پر برتری حاصل تھی فلسطینیوں کی برتری کا اصل سبب یہ تھا کہ ان کے اسلحہ اعلیٰ درجہ کے تھے اور وہ دھاتوں کو پگھلا کر ضرورت کے مطابق جارحانہ دفاعی اسلحہ تیار کر لیتے تھے جالوت جس کا ذکر قرآن مجید کے علاوہ توریت میں بھی آیا ہے اس سے متعلق لکھتے ہوئے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے بھالے کی انی ایسی تھی جیسے جولاہے کا شہتیر اس کے نیزہ کا پھل چھ سو مثقال لوہے کا تھا اور اس کی ڈھال اتنی بھاری تھی کہ ایک الگ شخص اسے اٹھائے چلتا تھا۔

فلسطینیوں کو لوہا پگھلا کر اس سے کام لینے کا علم تھا اور وہ اس فن میں یگانہ حیثیت رکھتے تھے۔ اسرائیلیوں سے مطالبہ کرتے تھے کہ آلات زراعت نیز بھالے وکلہاڑیاں وکدال صرف فلسطینی لوہاروں سے تیز کرایا کریں جنگ کے زمانے میں یہ امر سخت مشکلات کا باعث بن گیا جیسا کہ طالوت کے عہد حکومت میں تجربے سے واضح ہوا۔

فلسطینیوں کی آمد سے بیشتر متیوں نے تیرہویں صدی کے اوائل میں لوہے کا استعمال کیا تھا جیسا کہ متوشیلش کی خط وکتابت سے واضح ہے کہ اس وقت لوہا بحرہ اسود کے کنارے کی بعض کانوں سے نکالا جاتا تھا شام میں اس دھات کا عام استعمال فلسطینیوں کی آمد سے بیشتر شروع نہ ہوسکا لوہا پگھلانے اور صاف کرنے کا عمل متیوں کی طرح فلسطینی بڑے اہتمام سے مخفی رکھتے تھے کنعانیوں نے فلسطینیوں سے آہنی رتھوں کا استعمال سیکھ لیا تھا اسی وجہ سے انہیں حملہ آور اسرائیلیوں پر واضح فوقیت حاصل رہی۔

تاہم بعد کے دور میں حضرت داؤد کے زمانے میں یعنی 960ء قبل مسیح غیر فلسطینی عناصر کو لوہا پگھلانے اور صاف کرنے کا پر پیچ عمل معلوم نہ ہوسکا اس وقت فلسطین پر فلسطینیوں کی گرفت ڈھیلی ہوچکی تھی۔ حضرت داؤد نے فلسطینیوں کو تسخیر کرنے کے علاوہ ادوم کو بھی فتح کرلیا جو خام لوہے کا بہت بڑا مرکز تھا۔ لبنان میں بھی یہ دھات موجود تھی جہاں فونیقیوں نے اس سے جہاز سازی کا کام لیا یوں فلسطینیوں نے شامی آبادیوں کو برنجی دور سے نکال کر اعلیٰ آہنی دور میں پہنچایا یقیناً یہ فلسطینیوں کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔

جالوت کیونکہ بڑا قدآور، طاقتور اور دیوپیکر انسان تھا جبکہ اس کے مقابلے میں طالوت بھی کسی طرح کم نہ تھا مورخین اس سے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ بنیامین سے تعلق رکھتا تھا اس کی عمر اس وقت تیس سال کے لگ بھگ تھی بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قدآور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے اپنے باپ کے گمشدہ گدھے ڈھونڈنے نکلا تھا کہ راستے

میں اللہ کے نبی سموئیل کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لئے منتخب کیا ہے چنانچہ سموئیل نبی اسے اپنے گھر لائے تیل کی بوتل لے کر اس کے سر پر انڈیلی اسے چوما اور کہا اللہ تعالیٰ نے تجھے منتخب کیا تاکہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو اس کے بعد انہوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع کر کے اس کی بادشاہت کا اعلان کیا۔

مفسرین اور مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا اسی بنا پر جس وقت بنی اسرائیل نے اپنے لئے بادشاہ بنانے کا مطالبہ کیا تھا تو حضرت سموئیل نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

جو تم پر حکومت کرے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنے رتھوں کے لئے اور اپنے رسالے میں نوکر رکھے گا اور وہ اس کے رتھوں کے آگے دوڑیں گے اور وہ ان کو ہزار ہزار کے سردار پچاس پچاس کے سالار بنائے گا اور بعض سے ہل جتوائے گا، فصل کٹوائے گا اور اپنے لئے جنگ کے ہتھیار اور رتھوں کے سامان بنوائے گا تمہاری بیٹیوں کو گوندن، باورچن اور نان پز بنائے گا اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں اور زیتون کے باغوں کو جو اچھے سے اچھے ہوں گے لے کر اپنے خدمت گاروں کو عطا کردے گا اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں کا دسواں حصہ لے کر اپنے خواجاؤں اور خادموں کو دے گا تمہارے نوکر چاکروں لونڈیوں اور تمہارے شکیل نوجوانوں اور تمہارے گدھوں کو لے کر اپنے کام میں لگائے گا اور وہ تمہاری بھیڑ بکریوں کا دسواں حصہ لے گا تم اس کے غلام بن جاؤ گے اور تم اس دن اس بادشاہ وقت سے جسے تم نے اپنے لئے چنا ہوگا فریاد

کرو گے پس اس دن اللہ تعالیٰ تم کو جواب نہ دے گا۔لوگوں نے سموئیل کی بات
نہ سنی اور کہنے لگے نہیں ہم تو بادشاہت ہی چاہتے ہیں۔

بہرحال جالوت کے مقابلے میں طالوت کے گرانڈیل اور طاقت ور ہونے
کے باوجود طالوت جالوت سے خوف زدہ تھا اس لئے ایک تو جالوت اس سے
زیادہ طاقتور تھا دوسرے فلسطینیوں کی عسکری طاقت بڑی مضبوط اور مستحکم تھی
اور اس کے مقابلے میں طالوت کے ساتھ جو بنی اسرائیل تھے ان کا اعتماد اور
بھروسہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ بنی اسرائیل اپنے وعدوں سے پھرنے
کے بڑے شوقین اور ماہر تھے۔

بہرحال حضرت داؤد جالوت کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے کیونکہ
طالوت نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی تھی اور وہ ابھی بالکل نوجوان
اور کم عمر تھے فلسطینیوں کے بادشاہ جالوت نے ایک نوجوان کو اپنے مدمقابل
آتے دیکھا تو حقیر سمجھ کر کچھ زیادہ توجہ نہ دی مگر جب دونوں کے درمیان نبرد
آزمائی شروع ہوئی تو اب جالوت کو حضرت داؤد کی بے پناہ قوت کا اندازہ ہوا
حضرت داؤد نے لڑتے لڑتے اپنی گوپھن سنبھالی اور تاک کر پے در پے تین پتھر
اس کے سر پر مارے اور جالوت کا سر پاش پاش کر دیا پھر آگے بڑھ کر اس کی
گردن کاٹ دی۔جالوت کے قتل کے بعد جنگ کا پانسہ پلٹ گیا بنی اسرائیل کی
جنگ مغلوبہ جارحانہ حملے میں تبدیل ہوگئی اور طاغوتی طاقت کو شکست ہوئی
اور بنی اسرائیل کامیاب اور کامران ہوئے اس واقعہ نے حضرت داؤد کی
شجاعت کا دوست دشمن دونوں کے قلوب پر سکہ بٹھا دیا اور وہ بے حد ہر دل عزیز

اور بنی اسرائیل کی آنکھ کا تارا ہو گئے۔

اس وقت بنی اسرائیل میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو خلوص دل کے ساتھ
اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنے والے تھے چنانچہ جب حضرت داؤد نے فلسطینیوں
کے بادشاہ جالوت کو قتل کر دیا تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

جب وہ مجاہد جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل ہوئے تو کہنے لگے اے
پروردگار ہمیں صبر دے ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر ہم کو فتح اور نصرت عطا
فرما پس اللہ کے حکم سے انہوں نے ان فلسطینیوں کو شکست دے دی اور داؤد نے
جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو حکومت اور حکمت عطا فرمائی اور جو مناسب
جانا سب کچھ اس کو سکھایا۔

بعض اسرائیلی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ فلسطینیوں کے بادشاہ جالوت
کی زبردست طاقت اور قوت اور بنی اسرائیل کے اس کے مقابل ہونے میں
جھجک کو دیکھ کر طالوت نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اس
سے اپنی بیٹی کی شادی کر دوں گا اور اس کو حکوت کا بھی حصہ دار بناؤں گا چنانچہ
جب حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا تو طالوت نے وفائے عہد کے پیش نظر
حضرت داؤد کے ساتھ اپنی بیٹی میکال کی شادی کر دی اور حکومت میں بھی حصہ
دار بنا لیا۔

توریت کے صحیفہ سموئیل میں طالوت اور حضرت داؤد کے متعلق ایک طویل
داستان پائی جاتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طالوت نے داؤد کے شجاعانہ
کارناموں کی بنا پر حسب وعدہ ان سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی مگر بنی اسرائیل

کو ان کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ان کی غیر معمولی شجاعت کو بنی اسرائیل نے اچھی نظر سے نہ دیکھا اور ان کے دل میں ان کی جانب سے آتش بغض اور حسد بھڑک اٹھی مگر انہوں نے اس کو پوشیدہ رکھا اور اندر ہی اندر ایسی ترکیبیں کرتے رہے جس سے حضرت داؤد کا قصہ پاک ہو جائے۔

باپ کے خلاف طالوت کے لڑکے اور لڑکی داؤد کے راز دار اور ہمدرد رہے اور اس لئے ہر موقع پر طالوت کو ناکام ہونا پڑتا آخر زچ ہو کر طالوت نے علی الاعلان داؤد کی مخالفت شروع کر دی حضرت داؤد یہ دیکھ کر اپنی بیوی اور اپنے ہمراہی لشکریوں کو لے کر فرار ہو گئے اور فلسطینیوں کے ایک قصبہ میں طالوت کے دشمن کے ہاں جا کر پناہ لی اسرائیلیوں کی باہمی آویزش سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور انہوں نے لشکر کشی کر کے اسرائیلیوں کو سخت ہزیمت دی۔

اس موقع پر بنی اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان جو جنگ ہوئی اسے جنگ جلبوعہ کا نام دیا گیا ہے اس جنگ کے دوران طالوت کے تین بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور خود وہ سخت زخمی ہوا اور اس نے خودکشی کر لی فلسطینیوں نے اس کا سر کاٹا اس کی نعش نیز اس کے بیٹوں کی نعشیں بیت شان کی دیوار سے لٹکا دیں اور اس کے جنگی اسلحہ غنیمت کے طور پر انہوں نے استقارت دیوی کے عبادت گاہ میں سجا دیا۔

اس موقع پر بنی اسرائیل نے ساؤل کے خلاف بھی بڑا کچھ لکھا اور انہیں اسرائیلی روایات کو مسلمانوں نے بھی اکثر اپنی تاریخوں میں جگہ دے دی اس کے متعلق بعض مفسرین اعتراض کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ اسرائیلی داستان کو

اسلامی روایات کی طرح بیان کیا گیا ہے حتیٰ کہ داؤدؑ کی جو سورہ بقرہ کی آیت میں مذکور ہے اس کی داستان کو اس کی تفصیل میں بیان کر دیا گیا ہے معلوم نہیں کہ گزشتہ دور میں اسرائیلیات کی نقل کا اس قدر ذوق کیوں پیدا ہو گیا تھا کہ یہود نے جن داستانوں کو اپنی گمراہ اور غلط روی کے لئے گھڑا تھا ان کو بھی اسلامیات میں شامل کرنے سے احتیاط نہیں برتی گئی۔

اعتراض کرنے والے یہی مورخ اور مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سموئیل نے بنی اسرائیل کے مطالبہ پر طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا تو بنی اسرائیل نے انتباہ اور فرمانبرداری کا عہد کرنے کے باوجود اس کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور انحراف کی راہ اختیار کی مگر جب اللہ کی شان نے ان کو لاجواب بنا دیا تب مجبوراً اور مقہور ہو کر طالوت کو اپنا اولوالامر پر تسلیم کیا چنانچہ علماء یہود اس بات کو محسوس کرتے رہے کہ ہماری مجرمانہ عادات اور فضائل کے اعداد و شمار میں یہ ایک مزید اضافہ ہے کہ ہم نے اللہ کے مامور انسان پر طالوت کو نااہل بنا کر شروع میں اس کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا لہٰذا کوئی ایسی صورت پیدا کرنی چاہیے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ طالوت کے بارے میں نااہلیت امارت کا ہمارا دعویٰ صحیح اور سچ ظاہر ہو جائے اور ہم کو دنیا کے سامنے یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ یہی وہ امور تھے جن کو ہم نے اپنی فطانت فراست اور عقل مندی سے پہلے ہی بھانپ لیا تھا اور آخر کار طالوت کی نالائقی اور اہلیت ثابت ہو کر رہی۔

جرم ہلکا کرنے اور اپنی مجرمانہ خصلت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ وہ اقدام ہے جو سموئیل کی کتاب میں طالوت اور داؤدؑ کی باہمی آویزش سے متعلق داستان

نے اسرائیلیوں نے دیکھا یا غلط روایات اور عذر واقعات پیش کر دیئے۔

مسلمانوں میں سے جو مورخین انہیں اسرائیلی روایات کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں انہوں نے یہ توجہ نہیں فرمائی کہ جس ہستی یعنی طالوت کو قرآن مجید نے ماموری من اللہ قرار دیا ہے جس کی برکت سے تابوت سکینہ بنی اسرائیل کو دوبارہ ملا اور جس کے علم اور شجاعت کو پرشکوہ الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے سراہا بغیر کسی دلیل اور برہان کے کس طرح ایسے شخص کو قابل نفرت حرکات کا حامل قرار دے کر مورد لعن طعن بنا سکتے ہیں جس طرح کہ بنی اسرائیل بناتے ہیں۔

☆☆☆

قرآن مجید، توریت اور اسرائیلی تاریخ اس کے شاہد ہیں کہ حضرت داؤد سا شجاعت و بسالت اور اصابت رائے اور قوت فکر و تدبیر جیسے اوصاف کے پیش نظر کامل اور مکمل انسان تھے فتح اور نصرت ان کے قدم چومتی تھی اور اللہ کا فضل و کرم اسی درجہ ان کے شامل حال تھا کہ دشمن کے مقابلے میں ان کی جماعت کتنی مختصر ہوتی کامیابی ہمیشہ ان کے ہاتھ رہتی۔

اس لئے بہت تھوڑے عرصے میں شام، عراق، فلسطین اور مشرقی اردن کے تمام علاقوں پر ان کا حکم نافذ ہو گیا اور ایلہ یعنی خلیج عقبہ سے لے کر فرات کے تمام علاقوں اور دمشق تک تمام ملک ان کے زیر نگیں تھا اگر حجاز کے بھی ان حصوں کو شامل کر لیا جائے جو ان کے قلم اور حکومت کا حصہ بن چکے تھے تو یہ کہنا کسی قدر بے جا نہ ہوگا کہ حضرت داؤد کی مملکت اور حکومت بلا شرکت غیرے شامی اقدام کی واحد سلطنت تھی جو جدید فلسفہ، تاریخ اقوام کے مطابق وحدت

عرب یا اس سے بھی زیادہ وسیع وحدت اقوام سامیہ کی حکومت کہی جا سکتی ہے۔

اور پھر کثرت لشکر اور وسعت حدود رقبہ مملکت کے ساتھ ساتھ وحی الٰہی کے شرف نے ان کی عظمت اور شوکت اور صولت و ہیبت کو اور بھی زیادہ بلند کر دیا تھا اور رعایا کو یقین حاصل تھا کہ اگر حضرت داؤد کے سامنے اگر کوئی ایسا معاملہ رکھ دیا جائے یا ایسی کوئی مہم پیش کر دی جائے جو انتہائی پیچیدہ ہو یا کذب افتراء نے اس پر زیادہ سے زیادہ ملمع کر دیا ہو تب بھی وحی الٰہی کے ذریعے حقیقت حال منکشف ہو جاتی ہے۔

اس لئے جن وانس کسی کو بھی یہ حوصلہ نہیں ہوتا کہ وہ ان کے احکامات کی خلاف ورزی کریں چنانچہ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے۔

ایک مرتبہ دو آدمی ایک بیل کا منافشہ لے کر حضرت داؤد کی خدمت میں پیش ہوئے ہر ایک کا یہ کہنا تھا کہ یہ میری ملکیت ہے اور دوسرا غاصب ہے حضرت داؤد نے قضیے کا فیصلہ دوسرے دن پر موخر کر دیا اور دوسرے دن انہوں نے مدعی سے فرمایا رات کو اللہ نے مجھ پر وحی الٰہی کی ہے کہ تجھ کو قتل کر دیا جائے لہٰذا تو صحیح بات بیان کر۔

مدعی نے کہا اللہ کے سچے نبی اس مقدمہ میں تو میرا بیان قطعاً حق اور سچ ہے لیکن اس واقعے سے قبل میں نے اس مدعا علیہ کے باپ کو دھوکہ دے کر مار ڈالا تھا یہ سن کر حضرت داؤد نے اس کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔

اس قسم کے واقعات ہوتے تھے جن کی وجہ سے حضرت داؤد کے حکم اوران

کی عظمت اور شوکت کے سامنے سب پست اور فرمانبردار تھے اسی بناء پر قرآن مجید نے حضرت داؤد کی اسی عظمت، مملکت، حکمت اور نبوت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

اور ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت عطا کی اور صحیح فیصلہ کی قوت بخشی۔

اللہ تعالیٰ نے جو حکمت کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اس کے متعلق مفسرین کہتے ہیں اس سے دو باتیں مراد ہیں ایک نبوت اور دوسری عقل دانش کا وہ مقام جس پر فائز ہو کر کوئی شخص راہ راست کے بجائے کبھی کج روی اختیار نہیں کر سکتا، بعض علما نے حکمت سے زیور مراد لی ہے اسی طرح دو اور امور میں بھی آپ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ وہ تقریر وخطابت کے فن میں کمال رکھتے تھے اس طرح بولتے تھے کہ لفظ لفظ اور فقرہ فقرہ جدا جدا فہم اور ادراک میں آتا تھا اور اس سے کلام میں فصاحت و لطافت اور شوکت بیان پیدا ہو جاتی تھی دوئم یہ کہ ان کا حکم اور فیصلہ حق و باطل کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتا تھا۔

☆☆☆

بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لئے یہ اصل بنیادی اور اساس توریت تھی لیکن حالات واقعات اور زمانہ تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد کو بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو توریت کے قوانین اور اصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد وہدایت کے لئے بھیجی گئی تھی چنانچہ حضرت داؤد نے

شریعت موسوی کو از سر نو زندہ کیا اسرائیلیوں کو راہ ہدایت دکھائی اور نور وحی سے مستفید ہو کر تشنہ کامان معرفت الٰہی کو سیراب فرمایا زبور اللہ کی حمد کے نغموں سے معمور تھی۔

حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جن وانس حتیٰ کہ وحوش وطیور تک وجد میں آجاتے اس لئے آج تک اسے لحن داؤدی کے نام سے یاد رکھا گیا ہے۔

مورخین اسی بناء پر لکھتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حسن صوت کو سنتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے۔

ابوموسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ لغت میں زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب دراصل توریت کی تکمیل کے لئے نازل ہوئی تھی اس لئے گویا اس کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

زبور ایسے قصائد اور مسمع کلام کا مجموعہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور انسانی ابدیت اور عجز کے اعتراف، پند ونصائح اور بصائر وحکم کے مضامین تھے۔

ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا اور وہ مواعظ اور حکم کا مجموعہ تھی نیز بعض بشارت اور پیشین گوئیاں بھی اس میں منقول تھیں۔

قرآن مجید نے جگہ جگہ توریت، انجیل اور زبور کو اللہ تعالیٰ کی وحی فرمایا اور منزل من اللہ بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے دیدہ اور دانستہ اللہ کی ان کتابوں کو بدل ڈالا اور جگہ جگہ اپنی مرضی کے مطابق ان میں تحریف کردی حتیٰ کہ اب ان کے حقائق پر اس قدر پردہ پڑ گیا ہے کہ اصل وجہل

کے درمیان فرق کرنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعض یہود وہ ہیں جو توریت، انجیل اور زبور کے کلمات کو ان کی اصل حقیقت سے بدلتے اور پھیرتے ہیں۔

چنانچہ توریت اور انجیل کے علاوہ خود زبور اس کی زندہ شہادت موجود ہے موجودہ زبور میں اور مختلف حصوں کی تعداد جن کو اہل کتاب کی اصطلاح میں مزبور یا مزامیر کہا جاتا ہے ایک سو پچاس ہے ان حصوں پر جو نام درج ہیں یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب حصے حضرت داؤد کے مزامیر نہیں ہیں کیونکہ بعض بعض پر آ کر حضرت داؤد کا نام ثبت ہے تو بعض پر مغنیوں کے استاد کورا اور بعض پر شوشیئم کے سروں پر آصف کا اور بعض پر گتیت کا اور بعض پر کسی اور کا نام ہے۔

علاوہ ازیں بعض ایسے مزامیر بھی ہیں جو حضرت داؤد سے صدیوں بعد تصنیف کئے گئے مثلاً درج ذیل کا مزامیر "اے اللہ قومیں تیری میراث میں گھس آئی ہیں۔ انہوں نے تیرے مقدس ہیکل کو ناپاک کیا ہے انہوں نے یروشلم کو کھنڈر بنادیا۔"

ان مضامین میں اس ہولناک واقعہ کا تذکرہ ہے جو بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل کو پیش آیا اور ظاہر ہے یہ واقعہ حضرت داؤد کے صدیوں بعد پیش آیا ہے زبور اور دیگر الہامی کتابوں میں تحریف اور تبدیلی سے متعلق مفسرین اور مورخین مزید لکھتے ہیں کہ موجودہ بائبل میں زبور نام کی جو کتاب پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری زبور داؤدی نہیں ہے اس میں بکثرت مزامیر دوسرے لوگوں کے احوال بھی بھر دیئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں البتہ

جن مزامیر پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ہیں۔ ان کے اندر فی الواقعہ کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے اس طرح بائبل میں امثال سلیمان کے نام سے جو کتاب موجود ہے اس میں بھی اچھی خاصی آمیزش پائی جاتی ہے اور اس کے آخری دو باب تو صریحاً الحاقی ہیں۔

مگر اس کے باوجود ان امثال کا بڑا حصہ صحیح اور برحق معلوم ہوتا ہے ان دو کتابوں کے ساتھ ایک اور کتاب حضرت ایوب کے نام سے بھی بائبل میں درج ہے لیکن حکمت کے بہت سے جواہر اپنے اندر رکھنے کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ واقعی حضرت ایوب کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے اس لئے کہ قرآن میں اور خود اس کتاب میں حضرت ایوب کے جس صبر عظیم کی تعریف کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس بائبل میں یہ درج ہے کہ حضرت ایوب اپنی مصیبت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف سراپا شکایت بنے ہوئے تھے حتیٰ کہ ان کے ہم نشین انہیں اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ اللہ ظالم نہیں مگر وہ کسی طرح مان کر نہیں دیتے تھے۔

ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے سترہ صحائف اور بھی درج نہیں ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے خصوصاً یسعیاہ، ہرمیاہ، حزقی ایل، آموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں تو کثرت مقامات ایسے آتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے ان میں اخلاقی تعلیم، ان کا شرک کے خلاف جہاد، ان کے توحید کے حق میں بزور استدلال اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر تنقید

پڑھتے وقت آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انجیل میں حضرت مسیح کی تقریر اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سورتیں ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد پر زبور نازل فرمائی اور ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو رشد وہدایت کا پیغام سنایا اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور بے شک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے ہم نے داؤد کو زبور بخشی۔"

کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤد پوری زبور کو اتنے مختصر وقت میں تلاوت کرلیا کرتے تھے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کرتے اور زین کس کر فارغ ہوتے تو پوری زبور ختم کر چکے ہوتے۔

حضرت داؤد کے سلسلے میں قرآن مجید اور توریت کے درمیان سخت اختلاف بھی ہے قرآن مجید تو حضرت داؤد کو صاحب شوکت اور جلیل القدر پیغمبر اور رسول بھی تسلیم کرتا ہے لیکن توریت ان کو داؤد بادشاہ تسلیم کرتی ہے اور ان کی نبوت اور رسالت کا اقرار نہیں کرتی ظاہر ہے توریت کا انکار بالکل اور بے سروپا بات ہے اور اسی قسم کے کذب وافترا پر بنی ہے جس کا ثبوت بارہا بنی اسرائیل پیش کرتے رہے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت داؤد سے متعلق ایک ایسا واقعہ بھی آتا ہے جس کا ذکر توریت میں کہیں نہیں ملتا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کے کھیت میں دوسرے شخص کی بکریاں رات کے وقت گھس گئی تھیں اس نے حضرت داؤد کے ہاں اسے

استغاثہ کیا انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کی بکریاں چھین کر دوسرے شخص کو دے دی جائیں جس وقت حضرت داؤد نے یہ فیصلہ کیا تھا اس وقت ان کے بیٹے حضرت سلیمان بھی ان کے پاس موجود تھے چنانچہ اس فیصلے سے حضرت سلیمان نے اختلاف کیا اور یہ رائے دی کہ بکریاں اس وقت تک کھیت والے کے پاس رہیں جب تک بکریوں والا اس کے کھیت کو پھر سے تیار نہ کردے اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھایا قرآن مجید میں یہ واقعہ بیان کر کے حضرت داؤد حضرت سلیمان کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ انبیاء نبی ہونے کے باوجود انسان ہی ہوتے ہیں الوہیت کا شائبہ ان میں نہیں ہوتا اس مقدمے میں حضرت داؤد کی رہنمائی وحی کے ذریعے نہ کی گئی تھی اور فیصلہ کرنے میں غلطی کر گئے حضرت سلیمان کی رہنمائی کی گئی اور انہوں نے صحیح فیصلہ کیا حالانکہ نبی دونوں ہی تھے آگے ان دونوں بزرگوں کے جن کمالات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی یہی بات سمجھانے کے لئے ہے کہ یہ وہبی کمالات تھے اس طرح کے کمالات کسی کو اللہ نہیں بنادیتے۔

اس سے مفسرین اور مورخین یہ بات بھی نکالتے ہیں کہ اس آیت یا اس واقعہ سے عدالت کا یہ اصول بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو جج ایک مقدمے کا فیصلہ کریں اور دونوں کے فیصلے مختلف ہوں، مگر صحیح فیصلہ ایک ہی کا ہوگا لیکن دونوں برحق ہوں گے بشرط کہ عدالت کرنے کی ضروری استعداد دونوں ہی میں موجود ہو ان میں کوئی جسارت اور ناتجربہ کاری کے ساتھ عدالت کرنے نہ بیٹھ جائے حضور ﷺ نے اپنی حدیث میں اس بات کو اور زیادہ کھل کر بیان فرمایا ہے آپ

نے فرمایا۔

"اگر حاکم اپنی حد تک فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کرے تو صحیح فیصلہ کرنے کی صورت میں اس کے لئے دہرا اجر ہے اور غلط فیصلہ کرنے کی صورت میں اکہرا اجر۔"

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔ "قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک ان میں سے جنتی ہے دو جہنمی، جنتی وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دے مگر جو شخص حق کو پہچاننے کے باوجود خلاف حق فیصلہ دے تو وہ جہنمی ہے اس طرح وہ بھی جہنمی ہے جو علم کے بغیر لوگوں کے فیصلے کرنے کے لئے بیٹھ جائے۔"

☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے یوں تو سب ہی پیغمبروں کو خصوصی شرف اور امتیاز بخشا ہے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار انعام واکرام سے نوازا ہے تاہم شرف خصوصیت کے درجات کے اعتبار سے ان کے درمیان میں فرق مراتب رکھا ہے اور یہی امتیازی درجات اور مراتب ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"یہ رسول ہیں ہم نے ان کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

چنانچہ داؤد کے متعلق بھی قرآن مجید نے چند خصائص اور امتیازات کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کس درجہ بزرگی اور عظمت عطا فرمائی تھی لیکن یہ واضح رہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ خصائص

انبیاء اور رسل میں خاصہ کے وہ منطقی معنی مراد نہیں ہیں کہ کسی دوسرے شخص میں قطعاً اس کا وجود نہ پایا جائے اور وہ وصف صرف اسی کے اندر موجود ہو بلکہ اس مقام پر خاصہ سے وہ وصف مراد ہے جو اس ذات میں تمام اور کمال درجہ پر پایا جاتا ہو اور اس کے ذکر سے ذہن فوراً اس شخصیت کی جانب متوجہ ہو جاتا ہو اگرچہ بعض حالات میں اس وصف خاص کا وجود دوسرے نبیوں میں بھی جلوہ گر نظر آتا ہو۔

حضرت داؤد اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اور اس قدر خوش الحان تھے کہ جب زبور پڑھتے تھے یا اللہ کی تسبیح میں مشغول ہوتے تو ان کے وجد آفرین نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش وطیور بھی وجد میں آجاتے اور آپ کے ارد گرد جمع ہو کر حمد اللہ کے ترانے گاتے اور سریلی پرکیف آوازوں سے تقدیس اور تسبیح میں حضرت داؤد کی ہمنوائی کرتے صرف یہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی اللہ کی حمد میں گونج اٹھتے چنانچہ داؤد علیہ السلام کی اس فضیلت کا قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے فرمایا۔

"ہم نے پہاڑوں کو اور پرندوں کو تابع کر دیا کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ہم ہی میں ایسا کرنے کی قدر ہے اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جانب سے فضیلت بخشی ہے اور وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر تسبیح اور پاکی بیان کرو۔ بے شک ہم نے داؤد کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا اس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے ہیں اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوتے اور سب مل کر حمد اللہ کرتے ہیں۔"

بعض مفسرین نے ان آیات کی تفصیل میں کہا ہے کہ چرند، پرند اور پہاڑوں کی تسبیح زبان حال سے تھی گویا کائنات کی ہر شے کا وجود اس کی ترکیب بلکہ اس کی حقیقت کا ذرہ ذرہ اللہ کی خالقیت کا شاہد ہے اور یہی اس کی تسبیح اور تحمید ہے سیب اگرچہ زبان حال نہیں رکھتا اور نطق سے محروم ہے لیکن اس کی خوشبو اور اس کی لطافت اس کا حسن اور اس کی نزاکت جدا جدا پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ حق ہے وہ رب جو بہترین خالق ہے۔

امام رازی نے یہی مسلک اختیار کیا ہے مگر اس مسلک کے ثبوت میں کچھ لوگوں نے ایسی فلسفیانہ دلیل پیش کی ہے جو عقل و نقل دونوں اعتبار سے رکیک ہے بلکہ اس کو دلیل کہنا بھی غلط ہے۔

ہمیں یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ قرآن مجید کا طرز استدلال ان فلسفیانہ موشگافیوں کے تابع نہیں ہے جو محض ظن اور تخمین کی بنیادوں پر قائم ہیں خصوصاً یونانی فلسفہ کے مذمومہ اصول پر ایک بات کہی جائے پھر قرآن حکیم کے صاف اور سادہ مطلب کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے تو قرآن مجید اس کو برداشت نہیں کرتا۔

اس کے برعکس محققین کی یہ رائے ہے کہ حیوانات، نباتات اور جمادات حقیقتاً تسبیح کرتے ہیں اور ان کی تسبیح کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ ان کا وجود زبان حال سے صانع حقیقی پر دلالت کرتا ہے اور یہی ان کی تسبیح ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے سورہ بنی اسرائیل میں بصراحت یہ اعلان کیا۔ فرمایا۔

"آسمان اور زمین اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور کائنات کی ہر شے اللہ کی تسبیح

کرتی ہے لیکن ہم ان کی تسبیح اور ادراک نہیں رکھتے۔"

اس جگہ دو باتیں صاف صاف نظر آتی ہیں۔

اول یہ کہ کائنات کی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔ دوئم جن و انس ان کی تسبیح سمجھنے کا ادراک اور فہم نہیں رکھتے۔

تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور کائنات کی ہر شے حیوانات و نباتات اور جمادات کی جانب تسبیح کی نسبت فرمائی ہے تو یہ ضرور ہے کہ ان اشیاء میں تسبیح کا حقیقی وجود موجود ہو اور پھر دوسرے جملہ کا اس پر اطلاق کیا جائے کہ جن و انس ان کی تسبیح کے فہم اور ادراک سے قاصر ہیں۔

اگر اس جگہ تسبیح کے حقیقی معنی نہ لئے جائیں بلکہ زبان حال سے تسبیح کرنا اس معنی سے اختیار کیا جائے تو پھر قرآن مجید کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا۔

تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے اگر ایک دہری اس کو نہیں سمجھتا کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا پتہ دے رہا ہے تو تمام اہل مذاہب خصوصاً ہر مسلمان تو بے شبہ اس کو سمجھتا ہے اور جب بھی وجود باری پر کچھ سوچتا ہے تو اس کا یقین کر کے سوچتا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی کا اقرار کر رہا ہے اور ہر شے کا وجود ہی خود خالق کائنات کا پتہ دے رہا ہے۔

ابن خرم نے الفصل میں اس جگہ پر شبہ پیش کیا ہے کہ اگر حیوانات و نباتات اور جمادات کی تسبیح کو حقیقتاً تسبیح پر مامور کیا جائے تو یہ اشکال لازم آئے گا کہ ایک دہری انسان بھی شے ہے مگر وہ اللہ کی تسبیح کسی لمحہ بھی نہیں کرتا لہٰذا آیت کا مفہوم کیسے صحیح باقی رہے گا۔

ابن خرم کا یہ اشکال بہت ہی سطحی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس شبیہ کے بیان کرتے وقت اس کی نظر قرآن مجید کے اس مطلب سے مراد سے غافل ہوگئی جواس مقام پر اس کے پیش نظر ہے اور انہوں نے آیت زیر بحث کے سیاق وسباق پر غور نہیں فرمایا۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید اس آیت سے قبل مشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو بتارہا ہے کہ مشرکین اپنی نافہمی اور کج فہمی سے اللہ کے ساتھ معبودان باطل کو شریک ٹھہراتے ہیں لیکن قرآن جب اس مسئلہ کے بطلام کو ان پر واضح کرتا ہے اور طرح طرح سے سمجھتا جاتا ہے تو ان پر نصیحت کا الٹا اثر پڑتا ہے وہ پہلے سے بھی زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے ان تمام باطل نسبتوں سے جو مشرکین اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔

قرآن یہ بات بھی کہتا ہے کہ یہ انسان ہی ہے جو اس قسم کی مشرکانہ گمراہی میں مبتلا ہورہا ہے ورنہ ساتوں آسمان وزمین اور کائنات کی ہر شے اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور مشرک سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے مگر انسان ان کی اس تسبیح کے فہم وادراک سے قاصر ہے بے شک اللہ بخشنے والا ہے۔

اس کے بعد مشرکین کے باطل عقیدہ کا ثمرہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب حضورﷺ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم ان کے اور مشرکین کے درمیان ایک حجاب قائم کردیتے ہیں یعنی وہ جب قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو وہ آپ کو رسول بھی تسلیم نہیں کرتے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ آپؐ کی نصیحت سے منہ موڑ کر

آخرت کے انجام سے بے نیاز ہوجاتے ہیں۔

ساتھ ہی مفسرین اور مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی ان تفصیلات سیاق وسباق کی تصریحات کے بعد ابن خرم کے شبہ کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے اس نے تو صاف صاف یہ کہہ دیا ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی ناپاک جرأت انسان ہی کو ہوئی اس لئے کہ وہ خصاد کا مجموعہ ہے اس کے علاوہ کائنات کی ہر شے اللہ کے سامنے حقیقت کے سوا کچھ کہنے کی جرأت نہیں رکھتی اور اسی لئے وہ صرف پاکی ہی بیان کرتی ہے اور تسبیح اور تحمید اس کا شیوہ ہے۔

شیخ بدرالدین عینی نے محققین کے اس مسلک کو اس حدیث کے تحت مختصراً مگر مدلل بیان کیا جس میں دو قبروں میں مردوں پر عذاب ہونے اور حضور پاکؐ کے درخت کی ایک سبز شاخ کو چیر کر دونوں قبروں پر لگاتے ہوئے یہ ارشاد فرمانے کا ذکر ہے کہ جب تک یہ شاخیں خشک نہیں ہوں گی دونوں عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

چنانچہ اہل علم اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہر زندہ شے اللہ کی حمد کرتی ہے اور ہر شے کو اس درجے کے مناسب زندگی حاصل ہے اور بڑی نباتات میں زندگی اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک وہ سبز رہے خشک ہوجانا اس کی موت کا اعلان ہے اور پتھر وجمادات کی زندگی اس کے سالم رہنے سے وابستہ ہے اور اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہوجانا اس کی موت کا پیغام ہے اور محققین کا یہی مسلک ہے کہ آیت بغیر کسی تاویل کے اپنی امور پر ہے البتہ اس میں اختلاف

ہے کہ یہ اشیاء کیا حقیقتاً تسبیح کرتی ہیں یا اپنے حال سے صانع اور خالق پر دلالت کرنا ہی ان کی تسبیح ہے۔

تو اہل تحقیق کا مذہب یہ ہے کہ یہ اشیاء حقیقتاً تسبیح کرتی ہیں جبکہ عقل ہی اس کو محال نہیں سمجھتی اور نص بھی بصراحت اس کا اظہار کرتی ہے تو ضروری ہے اس کا مطلب وہی لیا جائے جو اہل تحقیق کہتے ہیں۔

علما کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ گفتگو اور قول کے لئے نطق شرط نہیں ہے اور اگر شے میں حیات اور صوت موجود ہیں تو اس کی جانب قول کی نسبت بے تردد صحیح ہے چنانچہ فلسفائے یونان حیوانات کے اندر حیات کے ساتھ جزویات کا حس بھی تسلیم کرتے ہیں اور جدید سائنس کے دور میں تو یہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ نباتات کے اندر بھی حیات اور احساس دونوں چیزیں موجود ہیں حتیٰ کہ جزئیات کا احساس بھی تجربہ میں آچکا ہے چھوئی موئی کا درخت ہاتھ لگانے سے مرجھا جاتا ہے اور ہاتھ الگ ہونے سے پھر شاداب ہو جاتا ہے مردم خود درخت انسان یا حیوان کے قریب ہونے پر اس کا احساس کرتے ہیں اور فوراً اپنی شاخیں دراز کر کے اس کو دبوچ کر اپنی گرفت میں کر لیتے ہیں۔ یہ اب رات دن کے مشاہدے ہیں۔

کلکتہ میں مشہور ماہر علم نباتات سائنس دان کا ایک باغیچہ آج بھی موجود ہے جس میں مسٹر بوس اللہ کی قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے کہ درخت مریض بھی ہوتے ہیں اور صحت یاب بھی اور بعض درختوں کا بعض سے نفرت کرنا مشاہدہ ہوتا ہے اور بعض کا بعض کی جانب مائل ہونا بھی حتیٰ کہ بعض سائنس

دانوں کا اب یہ دعویٰ ہے کہ ایک نہایت ہی ضعیف اور غیر محسوس کی حیات جمادات کے اندر بھی پائی جاتی ہے اور وہی اس کے نمو کی کفیل ہے۔

غرض نقل اور عقل دونوں ہی اعتبار سے قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ کائنات کی ہر شے اللہ کی حمد وثناء کرتی ہے اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے اور دلالت حال کے ساتھ اس کی تاویل کرنا فضول ہے البتہ اس کی تسبیح اور تحمید انسانوں کے عام فہم ادراک سے بالاتر رکھی گئی ہے اللہ کی مشیت اور مرضی کے تحت کبھی کبھی انبیاء اور رسل کو اس کا فہم اور ادراک عطا ہو جاتا ہے جو ان کے لئے بطور معجزہ ہوتا ہے چنانچہ حضرت داؤد کی خصوصیت میں سے ایک خصوصی شرف اور امتیاز یہ تھا کہ جب وہ صبح وشام اللہ کی حمد ثناء کرتے اور اس کی پاکی اور تقدیس میں مشغول ہوتے تو وحوش وطیور اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ بلند آواز میں اللہ کی تسبیح اور تحمید میں ان کی ہمنوائی کرتے اور حضرت داؤد اور وہ سب ایک دوسرے کی تسبیح اور تحمید کو سنتے حضرت داؤد کی یہی وہ خصوصیت ہے جس کا قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ علمائے حق میں سے جن علماء نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت میں جن وانس کے علاوہ اشیاء کی تسبیح کو حال پر معمول کیا ہے انہوں نے بھی بلاخوف یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت داؤد کا معاملہ اس عام حالت سے جدا معجزات سے تعلق رکھتا ہے اور ان مقامات میں حیوانات اور جمادات کی تسبیح اور تحمید حقیقی معنیٰ کے لحاظ سے ہے جیسا کہ حضور پاک ﷺ کے ان معجزات میں حقیقت ہی مراد ہے جن میں کنکریوں کا کلمہ پڑھنا اور حیوانات کا آپ سے ہم

کلام ہونا ثابت ہے۔

حضرت داؤد کے ساتھ چرند پرند اور وحوش کے تسبیح کرنے سے متعلق کچھ مورخین کا یہ بھی خیال ہے کہ یہاں لفظ معہ داؤد کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں لداؤد نہیں ہیں یعنی داؤد علیہ السلام کے لئے نہیں بلکہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر کئے گئے تھے اور اس کا حاصل یہ تھا کہ وہ بھی حضرت داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تھے یہی بات سورہ ص میں بھی قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے جس میں کہا۔

''ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا کہ صبح وشام تسبیح کرتے تھے اور پرندے مسخر کردیئے تھے جو اکھٹے ہوجاتے تھے سب اس کی تسبیح کو دہراتے تھے۔''

سورہ سبا میں اس کی مزید وضاحت اس طرح ملتی ہے۔ ''پہاڑوں کو ہم نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ تسبیح دہراؤ اور یہی حکم پرندوں کو دیا۔''

ان ارشادات سے جو بات بقول مفسرین سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد جب اللہ کی حمد وثناء کرتے تھے تو ان کی بلند اور سریلی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے، پرندے ٹھہر جاتے تھے اور ایک سماں بن جاتا تھا اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ذکر آیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعریؓ جو غیر معمولی طور پر خوش آواز بزرگ تھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے چنانچہ حضور پاک ﷺ ادھر سے گزرے تو ان کی آواز سن کر کھڑے ہوگئے اور دیر تک سنتے رہے جب وہ ختم کر چکے تو آپؐ نے فرمایا۔
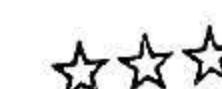
''اس شخص کو داؤد کی خوش آوازی کا ایک حصہ ملا ہے۔''

☆☆☆

بادشاہ ہونے کے باوجود حضرت داؤد سلطنت اور مملکت کے مالیہ سے رقم نہیں لیتے تھے اور اپنے اہل وعیال کی معاش کا بار بیت المال پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے حلال روزی حاصل کرتے اور اسی کو ذریعہ معاش بناتے تھے چنانچہ حضرت داؤد کے اس فعل کو حدیث کے ان الفاظ میں سراہا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بلا شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کماتے تھے۔''

شیخ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ ایسی صورت پیدا کردے کہ میرے لئے ہاتھ کی کمائی آسان ہوجائے کیونکہ میں بیت المال پر اپنی معاش کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا دراصل حضرت داؤد کا یہ پاک جذبہ اسی پیغمبرانہ امتیازات میں تھا جس کا ذکر قرآن مجید نے تمام انبیاء کی رشد وہدایت کے سلسلے میں کیا ہے اور ہر نبی اپنی امت کو جب پیغام الٰہی سناتا ہے تو ساتھ یہ بھی کہہ دیتا ہے۔

''اور میں تم سے اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے۔''

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حدیث بخاری کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ اسلام کو اگرچہ بیت المال سے بقدرے کفالت وظیفہ لینا درست ہے لیکن افضل یہی ہے کہ اس پر بار نہ ڈالے چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات کے وقت اس

تمام رقم کو واپس کردیا تھا جو انہوں نے خلافت میں بیت المال سے وظیفہ کی شکل میں لیا تھا اس طرح خدمات اسلامی پر معاوضہ نہ لینے کا معاملہ طے کر کے آپؑ نے مثال پیش کی۔

چنانچہ حضرت داؤد کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے ساتھ قبول فرمایا کہ ان کے ہاتھ میں لوہے اور فولاد کو نرم کردیا کہ جب وہ ذرہ بناتے تو سخت مشقت اور آلات واوزار کے بغیر فولاد کو جس طرح چاہتے کام میں لاتے اور ان کے ہاتھ میں باآسانی لوہا ہر قسم کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔

چنانچہ قرآن مجید کی سورہ انبیاء اور دیگر سورہ میں اس معاملے کو اس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔

''اور ہم نے داؤد کے لئے لوہا نرم کردیا کہ بنا ذرہیں کشادہ اور انداز سے جوڑ کر کڑیاں اور تم جو کچھ کرتے ہو میں اس کو دیکھتا ہوں۔''

دوسری جگہ فرمایا۔

''اور ہم نے داؤد کو سکھایا ایک قسم کا لباس بنانا تا کہ تم کو لڑائیوں کے موقع پر ان سے بچاؤ حاصل ہو پس کیا تم شکرگزار نہیں بنتے ہو۔''

توریت اور لوہے کے استعمال کے زمانہ کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت داؤد سے پہلے لوہے کی صنعت نے اس حد تک تو ترقی کرلی تھی کہ فولاد کو پگھلا کر اس سے سپاٹ ٹکڑے بناتے اور ان کو جوڑ کر ذرہ بنایا کرتے تھے لیکن یہ ذرہ بہت بھاری ہوتا تھا اور چند قوی ہیکل انسانوں کے علاوہ عام طریقہ سے ان کا استعمال مشکل اور دشوار سمجھا جاتا تھا اور میدان جنگ میں سبک خرامی دشوار

ہو جاتی تھی۔

حضرت داؤد پہلے شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت بخشی کہ انہوں نے تعلیم وحی کے ذریعے ایسی ذرہیں ایجاد کیں جو باریک اور نازک زنجیروں کے حلقوں سے بنائی جاتی تھیں ہلکی اور نرم ہونے کی وجہ سے میدان جنگ کا لشکری اس کو پہن کر باآسانی نقل وحرکت بھی کرسکتا تھا اور دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے بھی بہت عمدہ ثابت ہوتی تھی۔

لوہے کے استعمال سے متعلق دوسرے مفسرین حضرت داؤد سے متعلق لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو ان کے لئے نرم کردیا اور آپ کو ہدایت دی کہ پوری پوری ذرہیں بنائیں اور ٹھیک انداز سے کڑیاں جوڑیں۔ مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پر جنگی اغراض کے لئے ذرہ سازی کا طریقہ سمجھایا تھا۔

موجودہ زمانے تاریخی وعصری تحقیقات سے اس معاملے کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور یعنی آئرن ایج بارہ سو اور ایک ہزار قبل مسیح کے درمیان شروع ہوا اور یہی حضرت داؤد کا زمانہ ہے۔

اول اول شام اور ایشیائے کوچک کی حتیٰ قوم کو جس کے عروج کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح سے بارہ سو قبل مسیح تک رہا ہے لوہے کے پگھلانے تیار کرنے کا ایک پیچیدہ طریقہ معلوم ہوا ہے اور وہ شدت کے ساتھ اس کو دنیا بھر سے راز میں رکھے رہے۔

مگر اس طریقے سے جو لوہا تیار ہوتا تھا وہ سونے چاندی کی طرح اتنا قیمتی ہوتا تھا کہ عام استعمال میں نہ آ سکتا تھا۔

بعد میں فلسطینیوں نے یہ طریقہ معلوم کرلیا اور وہ بھی اسے راز ہی میں رکھتے تھے طالوت کی بادشاہی کے پہلے میتیوں اور فلسطینیوں نے بنی اسرائیل کو پے در پے شکستیں دے کر جس طرح فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا بائبل کے بیان کے مطابق اس کے وجوہ میں ایک عام وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ لوہے کی رتھیں استعمال کرتے تھے اور ان کے پاس دوسرے آہنی ہتھیار بھی تھے۔

چنانچہ جب طالوت اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے پیہم شکستیں دے کر ان لوگوں سے فلسطین کا بڑا حصہ واپس لے لیا اور پھر حضرت داؤد 1004 سے 965 قبل مسیح میں نہ صرف فلسطین مشرق اردن بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کر دی اس زمانے میں آہن سازی کا وہ راز جو میتیوں اور فلسطینیوں کے قبضے میں تھا بے نقاب ہو گیا اور صرف بے نقاب ہی نہ ہوا بلکہ آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جس سے عام استعمال کے لئے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔

فلسطین کے جنوب میں ادوم کا علاقہ خاص لوہے کی دولت سے مالا مال تھا اور حال ہی میں آثار قدیمہ کی جو کھدائیاں اس علاقے میں ہوئی ہیں ان میں بکثرت ایسی جگہوں کے آثار ملے ہیں جہاں لوہا پگھلانے کی بھٹیاں لگی ہوئی تھیں۔

عقبہ اور ایلہ سے متصل حضرت سلیمان کے زمانے کی بندرگاہ عصیون جابر

کے آثار قدیمہ میں جو بھی ملی ہے اس کے معائنے سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس میں بعض وہ اصول استعمال کئے جاتے تھے جو آج جدید ترین زمانے کی بھٹیوں میں استعمال ہوتے ہیں اب یہ ایک قدرتی بات ہے کہ حضرت داؤد نے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اس جدید دریافت کو جنگی ادراک کے لئے استعمال کیا ہوگا کیونکہ تھوڑی ہی مدت پہلے آس پاس کی دشمن قوتوں نے اسی لوہے کے ہتھیاروں سے ان کی قوم پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جو حضرت داؤد کو ایک اور معجزانہ صفت عطا کی وہ جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی تھیں جس کو منطق الطیر کا نام دیا گیا حضرت داؤد اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک شرف عطا ہوا تھا کہ دونوں بزرگوں کو پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا علم دیا گیا اور جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کی گفتگو سمجھتا ہے اس طرح وہ پرندوں کی گفتگو سمجھتے تھے۔

نطق الطائر کی حقیقت کیا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو نطق طائر کے متعلق کس قسم کا علم عطا ہوا تھا اس کی حقیقت کچھ اس طرح ہے۔

اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے قیاس و تخمین کے ذریعے ان کی مختلف قسم کی آوازوں کے مقصد اور مراد کو سمجھ لیتے تھے اور اس سے زیادہ کچھ نہ تھا اس لئے کہ قیاس و تخمین کا یہ درجہ تو بکثرت لوگوں کو حاصل ہے اور وہ پالتو جانوروں کو بھوک پیاس کے وقت کی آواز، خوشی اور مسرت کی آواز، مالک کو قریب دیکھ کر اظہار وفاداری کی آواز اور دشمن کو دیکھ کر خاص طرح سے پکارنے کی آواز کے درمیان بخوبی فرق سمجھتے تھے اور ان کے مقاصد کو باآسانی ادراک کر لیتے ہیں۔

نیز منطق طائر سے وہ علم بھی مراد نہیں ہوسکتا جو جدید علمی دور میں ظن وتخمین
کی راہ سے بعض جانوروں کی گفتگو کے سلسلے میں ایجاد ہوا ہے اور زولوجی کا ایک
شعبہ شمار کیا جاتا ہے اس لئے کہ یہ محض انکل کا تیر ہے اور اس کو علم بامرتبہ یقین کہنا
علم حیوانات کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں وہ ایک اکتسابی فن ہے جو ہر شخص کو تھوڑی سی محنت کے ساتھ
حاصل ہوجاتا ہے اور ظاہر ہے حضرت داؤد کے اس علم کے لئے قرآن مجید کو اس
قدر اہم پیرایہ بیان کی ضرورت نہیں تھی۔

قرآن مجید نے جس انداز میں اس کا ذکر کیا ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا
ہے کہ حضرت داؤد کے لئے یہ ایک ایسی عظیم الشان نعمت تھی جس کو نشان یعنی
معجزہ کہا جاسکتا ہے اور وہ بے شبہ پرندوں کی بولیاں انسان ناطق کی گفتگو کی طرح
سمجھتے تھے اور یقیناً ان کا یہ علم اسباب دنیاوی سے بالاقوانین قدرت کے فیضان
کا نتیجہ تھا۔

لہٰذا عقل اس بارے میں یہیں تک جاسکتی ہے کہ اس کے نزدیک یہ محال
بات نہیں ہے کیونکہ لغت اور عقل دونوں کے لحاظ سے نطق کے لئے صرف صوت
کا ہونا کافی ہے اور اس کے لئے انسان کی طرح کی گویائی ضروری نہیں ہے اور
چرند پرند کی بولیوں میں صوت اور صوت کا نشیب وفراز دونوں موجود ہیں پس
منطق الطائر ایسی بخشش اور اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل تھا جس کو اللہ کا نشان کہنا چاہئے
اور جوان ہی جیسی پاک ہستیوں کے لئے مخصوص ہے۔

مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد حیوانات کی بولیاں جس طریقے

سے یقینی طور پر سمجھ لیا کرتے تھے وہ عام علمی تدوین جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان
کو بطور نشان کے عطا ہوا تھا البتہ اس کی تفصیل سے یہ فرق ہے کہ قاضی بیضاوی
کے نزدیک حیوانات کی بولیاں مختلف کیفیات کی صورت میں تخیل کی مدد سے سمجھی
جاتی ہیں اور اس کا یقینی درجہ کسب کے ذریعے نہیں بلکہ فضل الٰہی سے حاصل
ہوتا ہے جو حضرت داؤد کو حاصل تھا اور وہ جانوروں کی بولیاں اس طرح سنتے تھے
جس طرح انسان کی گفتگو اس لئے کہ یہ صرف معجزہ تھا جوان کے ہاتھ میں
دکھلایا گیا اور عام طور پر ان کی بولیاں محض مختلف کیفیات صوت سے پہچانی جاتی
ہیں اور خواہ یہ ہو کہ حقیقتاً ان کی صوت بھی نطق کا ایسا درجہ رکھتی ہو جس سے وہ
صاف صاف ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھاتے اور سمجھتے ہوں لیکن وہ انسانی
نطق سے بہت کمزور درجہ کا ہو۔

حضرت داؤد کی ذات سے دو واقعات جنہیں عجیب کہا جاسکتا ہے وابستہ
کئے جاتے ہیں پہلا واقعہ وہی ہے جس کو اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ
حضرت داؤد کی خدمت میں وہ شخص یہ مقدمہ لے کر حاضر ہوئے مدعی نے دعویٰ
کی اور روداد یہ سنائی کہ مدعا علیہ کی بکریوں کے گلے نے اس کی تمام کھیتی تباہ
کر ڈالی اور اس کو چر کر روندھ ڈالا۔

حضرت داؤد نے اپنے علم وحکمت کے پیش نظر یہ فیصلہ دیا مدعی کی کھیتی کا
نقصان چونکہ مدعی علیہ کے گلہ کی قیمت کے قریب قریب متوازی ہے لہٰذا پورا گلہ
مدعی کو تاوان میں دے دیا جائے۔۔

حضرت سلیمان کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ اپنے والد ماجد کے

نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے اگرچہ آپ کا یہ فیصلہ صحیح ہے مگر اس سے بھی زیادہ مناسب شکل یہ ہے کہ مدعی علیہ کا تمام ریوڑ مدعی کے سپرد کر دیا جائے کہ وہ اس کے دودھ اور اس کی اون سے فائدہ اٹھائے اور مدعی علیہ سے کہا جائے کہ وہ اس درمیان مدعی کے کھیت کی خدمت انجام دے جب کھیت کی پیداوار اپنی اصل حالت پر واپس آجائے تو کھیت مدعی کو سپرد کر دے اور اپنا ریوڑ واپس لے لے۔

حضرت داؤد کو بیٹے کا یہ فیصلہ بہت پسند آیا۔ اس واقعہ سے بظاہر پتہ یہی لگتا ہے کہ فہم وفراست میں حضرت داؤد پر حضرت سلیمان سبقت لے گئے لیکن فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد کے فیصلے کو قیاسی کہیں گے اور حضرت سلیمان کے فیصلے کو استحسانی مگر اس قسم کی جزوی فضیلت کے یہ معنی نہیں کہ بحیثیت مجموعی فضائل حضرت سلیمان اپنے والد حضرت داؤد پر فضیلت رکھتے تھے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجموعہ فضائل کے اعتبار سے حضرت داؤد کی جو منقبت فرمائی ہے وہ حضرت سلیمان کے حصے میں نہیں آئی۔

دوسرا واقعہ جو بیان کیا جاتا ہے وہ ایک طرح سے حضرت داؤد پر بنی اسرائیل کی بہتان تراشی اور الزام ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جن لوگوں نے بائبل کا مطالعہ کیا ہے ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کتاب میں حضرت داؤد اور یاحتی کی بیوی سے برائی کرنے اور پھر اوریا کو ایک جنگ میں قصداً ہلاک کروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لینے کا صاف صاف الزام لگایا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہی عورت جس نے ایک شخص کی بیوی ہوتے ہوئے

اپنے آپ کو حضرت داؤد کے حوالے کیا تھا حضرت سلیمان کی ماں تھی یہ پورا قصہ بائبل میں نہایت تفصیل کے ساتھ درج ہے۔

نزول قرآن سے صدیوں پہلے یہ بائبل میں درج ہو چکا تھا دنیا بھر کے یہودیوں اور عیسائیوں میں سے جو بھی اپنی اس کتاب مقدس کی تلاوت کرتا یا اسے سنتا تو وہ اس قصے سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس پر ایمان بھی لاتا تھا انہی لوگوں کے ذریعے سے یہ دنیا میں مشہور ہوا اور آج تک حال یہ ہے کہ مغربی ممالک میں بنی اسرائیل اور عبرانی مذاہب کی تاریخ پر کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی جاتی جس میں حضرت داؤد کے خلاف اس الزام کو دہرایا نہ جاتا ہو اس مشہور واقعے کی تفصیل بطور بائبل کچھ اس طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا اس نے اس کے پاس آ کر کہا کہ کسی شہر میں دو شخص تھے ایک امیر دوسرا غریب اس امیر کے پاس بہت سے ریوڑ اور گلے تھے پھر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پالا تھا اور وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کے ساتھ پلی بڑھی تھی وہ اسی کے نوالے سے کھاتی تھی اور اسی کے پیالے میں سے پیتی اس کی گود میں سوتی تھی اس کے لئے بطور بیٹی کے تھی اس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا اس نے اس مسافر کے لئے جو اس کے ہاں آیا تھا پکانے کے لئے اپنے ریوڑ اور گلے میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھیڑ لے لی اس شخص کے لئے جو اس کے ہاں آیا تھا پکائی تھی تب داؤد کا غضب اس شخص پر بہ شدت بھڑکا اور اس نے ناتن سے کہا۔

اللہ تعالیٰ کی حیات کی قسم وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب قتل ہے اس شخص کو اس بھیڑی کا چوگنا بھرنا پڑے گا کیونکہ اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس نہ آیا۔

تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے تو نے اوریا کو تلوار سے مارا اور اس کی بیوی لے لی تا کہ وہ تیری بیوی بنے اور اس کو بنی آمور کی تلوار سے قتل کروادیا۔

اس قصے اور اس کی شہرت کی موجودگی میں یہ ضرورت باقی نہ تھی کہ قرآن مجید میں اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان دیا جاتا اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ بھی نہیں ہے کہ وہ اپنی کتاب پاک میں ایسی باتوں کو کھول کر بیان کرے اس لئے یہاں پردے ہی میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا گیا کہ اصل واقعہ کیا تھا اور اہل کتاب نے اسے کیا سے کیا بنا دیا اصل واقعہ جو قرآن مجید کے مذکورہ بالا بیان سے صاف سمجھ میں آتا ہے یہ ہے۔

حضرت داؤد نے اوریا جو کچھ بھی اس کا نام رہا ہو اس سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کیونکہ یہ خواہش ایک آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرمانروا ایک زبردست دینی عظمت رکھنے والے شخص کی طرف سے رعایا کے ایک فرد کے سامنے ظاہر کی گئی تھی اس لئے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا اس موقع پر قبل اس کے وہ حضرت داؤد کی فرمائش کی تعمیل کرتا قوم کے دو نیک آدمی اچانک حضرت داؤد کے پاس پہنچ گئے انہوں نے ایک فرضی مقدمے کی

صورت میں یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔

حضرت داؤد ابتداء میں تو یہ سمجھے یہ واقعی کوئی مقدمہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو سن کر فیصلہ سنایا لیکن زبان سے فیصلے کے الفاظ نکلتے ہی ان کے ضمیر نے تنبیہ کی تمثیل پوری طرح ان کے اور اس شخص کے معاملے پر چسپاں ہوتی ہے اور جس فعل کو وہ ظلم قرار دے رہے ہیں اس کا صدور خود ان سے اس شخص کے معاملے میں ہو رہا ہے یہ احساس دل میں پیدا ہوتے ہی وہ سجدے میں گر گئے اور توبہ کی اور اپنے اس فعل سے رجوع کیا۔

بائبل میں اس واقعہ کی وہ گھناؤنی شکل کیسے بنی یہ بات بھی تھوڑے سے غور کے بعد سمجھ آجاتی ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کو اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعے سے علم ہو گیا تھا اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونی چاہئے اسی خیال سے مغلوب ہو کر انہوں نے اس کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دے دے اس میں کوئی قباحت انہوں نے اس لئے محسوس نہیں کی کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ کوئی معیوب بات سمجھی نہ جاتی تھی ان کے ہاں یہ معمولی بات تھی کہ ایک شخص اگر کسی کی بیوی کو پسند کرتا تو بے تکلف اس سے درخواست کر دیتا تھا کہ اسے میرے لئے چھوڑ دے۔

ایسی درخواست پر کوئی برا نہ مانتا تھا بلکہ بعض اوقات دوست ایک دوسرے کی خاطر بیوی کو طلاق دے دیتے تھے تا کہ اس سے شادی کر لے لیکن یہ بات کرتے وقت حضرت داؤد کو اس امر کا احساس نہ ہوا کہ ایک عام آدمی کی طرف

ے اس قسم کی خواہش کا اظہار تو جبر و ظلم کے عنصر سے خالی ہو سکتا ہے مگر ایک فرمانروا کی طرف سے جب ایسی خواہش ظاہر کی جائے گی تو وہ حیرت سے کسی طرح بھی خالی نہیں ہو سکتی۔

اس پہلو کی طرف جب اس تمثیلی مقدمے کے ذریعے سے ان کو توجہ دلائی گئی تو وہ بلا مقابل اپنی خواہش سے دست بردار ہو گئے تو بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر بعد میں کسی وقت جب ان کی کسی خواہش اور کوشش کے بغیر اس خاتون کا شوہر ایک جنگ میں شہید ہو گیا اور انہوں نے اس سے نکاح کر لیا تو یہودیوں کے خبیث ذہن نے افسانہ تراشی شروع کر دی اور یہ خبیث نفس اس وقت اور زیادہ تیزی سے کام کرنے لگا جب بنی اسرائیل کا ایک گروہ حضرت سلیمان کا دشمن ہو گیا۔

قرآن مجید کے مفسرین میں سے ایک گروہ نے تو ان افسانوں کو قریب قریب جوں کا توں قبول کر لیا ہے جو بنی اسرائیل کے ذریعے سے ان تک پہنچے ہیں اسرائیلی روایات کا صرف اتنا حصہ انہوں نے ساقط کیا ہے جس پر حضرت داؤد پر بدی کا الزام لگایا گیا ہے اور عورت کے ماں بننے کا ذکر تھا یہ سارا قصہ ان کی نقل کردہ روایات میں اسی طرح پایا جاتا ہے جس طرح بنی اسرائیل میں مشہور تھا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے سرے سے اس واقعہ کا انکار کر دیا ہے کہ حضرت داؤد سے کوئی ایسا فعل صادر ہوا تھا جو نبیوں والے مقدمے سے کوئی مماثلت رکھتا ہو اس کے بجائے وہ اپنی طرف سے اس قصے کی ایسی تفصیلات بالکل بے بنیاد ہیں جن کا کوئی مواخذ ہی نہیں ہے۔

مفسرین ہی میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو ٹھیک بات تک پہنچتا ہے اور قرآن مجید کے واضح اشارات سے اس قصے کی اصل حقیقت پا گیا ہے مثال کے طور پر چند اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔

مسروق اور سعید بن جبیر دونوں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ حضرت داؤد نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا تھا کہ اس عورت کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اپنی بیوی کو میرے لئے چھوڑ دے علامہ مخشری اپنی تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں کہ جس شکل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کا قصہ بیان فرمایا ہے اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس شخص سے صرف خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ ان کے لئے اپنی بیوی چھوڑ دے۔

قاضی ابوبکر ابن عربی اس مسئلے پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اصل واقعہ بس یہی ہے کہ حضرت داؤد نے اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص سے کہا کہ میرے لئے اپنی بیوی چھوڑ دے اور سنجیدگی کے ساتھ یہ مطالبہ کیا قرآن میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ شخص ان کے مطالبے پر اپنی بیوی سے دستبردار ہو گیا حضرت داؤد نے اس کے بعد اس عورت سے شادی بھی کر لی حضرت سلیمان اسی کے بطن سے پیدا ہوئے جس بات پر عتاب ہوا وہ اس کے سواء کچھ نہ تھی کہ انہوں نے ایک عورت کے شوہر سے یہ چاہا کہ وہ ان کی خاطر اسے چھوڑ دے یہ فعل خواہ جائز ہی ہو مگر منصب نبوت سے بعید تھا اس لئے ان پر عتاب ہی ہوا اور ان کو نصیحت ہی کی گئی۔

یہی تفصیل اس سیاق و سباق سے بھی مطابقت رکھتی ہے جس میں قصہ بیان

کیا گیا ہے سلسلہ کلام پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن
مجید میں اس مقام پر یہ قصہ دو اغراض کے لئے بیان کیا گیا ہے پہلی غرض حضورؐ
کو صبر کی تلقین کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو
باتیں یہ لوگ آپ پر بنا رہے ہیں۔ ان پر صبر کیجیے اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد
کریں یعنی تمہیں تو ساحر اور کذاب بھی کہا جا رہا ہے لیکن ہمارے بندے داؤد پر
تو ظالموں نے بدی اور سازش اور قتل تک کے الزام لگا دیئے تھے۔
لہٰذا ان لوگوں سے جو کچھ بھی تمہیں سننا پڑے اسے برداشت کرتے رہو
دوسری طرف کفار کو یہ بتانا ہے کہ تم لوگ ہر محاسبے سے بے وقوف ہو کر دنیا میں
طرح طرح کی زیادتیاں کرتے چلے جاتے ہے لیکن جس خدا کی خدائی میں تم یہ
حرکتیں کر رہے ہو وہ کسی کو بھی محاسبہ کئے بغیر نہیں چھوڑتا حتیٰ کہ جو بندے اس
کے نہایت محبوب اور مقرب ہوتے ہیں وہ بھی اگر ایک ذرا سی لغزش کے مرتکب
ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے سخت مواخذہ کرتا ہے اسی بناء پر حضور پاکؐ کو
مخاطب کر کے فرمایا۔ "ان کے سامنے ہمارے بندے داؤد کا قصہ بیان کرو جو
ایسی خوبیوں کا مالک تھا جب اس سے ایک بے جابات سرزد ہو گئی تو دیکھو کہ ہم
نے اسے کس طرح سرزش کی۔" اس سلسلے میں ایک غلط فہمی اور باقی رہ جاتی ہے
جسے رفع کرنا ضروری ہے تفصیل میں مقدمہ پیش کرنے والے نے جو یہ کہا کہ اس
شخص کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دنبی ہے جسے
یہ مانگ رہا ہے اس سے بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید حضرت داؤد کے پاس
ننانوے بیویاں تھیں اور وہ ایک عورت حاصل کر کے سو کا عدد پورا کرنا چاہتے تھے
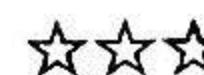
لیکن دراصل تمثیل کے ہر ہر جزو کا حضرت داؤد اوریا کے معاملے پر لفظ بالفظ چسپاں
ہونا ضروری نہیں ہے عام محاورے میں دس بیس پچاس وغیرہ اعداد کا ذکر کثرت
کو بیان کرنے کے لئے کہا جاتا ہے نہ کہ ٹھیک تعداد بیان کرنے کے لئے۔
ہم جب کسی سے کہتے ہیں کہ دس مرتبہ تم نے فلاں بات کہہ دی تو اس کا یہ
مطلب نہیں ہوتا کہ دس بار گن کر وہ بات کہی گئی ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ
بار ہا وہ بات کہی جا چکی ہے ایسا معاملہ یہاں بھی ہے تمثیل مقدمہ وہ شخص حضرت
داؤد کو یہ احساس دلانا چاہتا ہے کہ آپ کے پاس متعدد بیویاں ہیں پھر بھی آپ
دوسرے شخص کی ایک بیوی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت داؤد پر بنی اسرائیل نے جو توریت میں الزام تراشی کی اور بدی کو
آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا تو ان تمام خرافات سے الگ ہو کر ان محققین نے
جو اس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے وہ صحیح آثار صحابہؓ سے منقول ہے جو قرآن مجید
کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھ کر ذوق سلیم کے ذریعے کی گئی ہے اس میں اس
تفصیل کے چار پہلو ہیں۔
اول علامہ ابن خرم فرماتے ہیں کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ دو شخص
اچانک محراب داؤد میں داخل ہو گئے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام عبادت الٰہی
میں مشغول تھے اور چونکہ ان دونوں کا معاملہ حقیقی اور واقعی تھا اور ان کو اس کے
طے کرنے میں عجلت تھی اس لئے وہ دیوار پھاند کر چلے آئے حضرت داؤد نے
مدعی کا بیان سن کر تذکیر و وعظ پیش نظر اول زمانے کے فساد حال کا ذکر کیا فرمایا

زیردستوں پر ارباب قوت کے مظالم کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے کہ وہ ان کی زندگی کو
صرف اپنی راحت کا ایک آلہ سمجھتے رہے ہیں اور بہت ہی بری بات ہے البتہ اللہ
کے مومن بندے جو نیک بھی ہیں ایسے مظالم سے بچے اور اللہ کا خوف کرتے
رہیں حکمران کی تعداد کم ہے۔

اس کے بعد حضرت داؤد نے انصاف پر مبنی فیصلہ کر کے قضیہ کو ختم کر دیا
جب فریقین چلے گئے تو حضرت داؤد کے بلند احساسات نے ان کے قلب اور
دماغ کو ادھر متوجہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم الشان حکومت اور بے نظیر سطوت
جو ان کو بخشی ہے درحقیقت ان کے لئے بہت بڑی آزمائش اور امتحان ہے اس
عمل کا کہ ذات واحد نے اپنی اس کثیر مخلوق پر جو مجھ کو عزت عطا فرمائی ہے اس
کے متعلق عائد شدہ فریضہ کو میں کہاں تک صحیح طور پر انجام دیتا ہوں اور اللہ کی اس
نعمت کا اپنی عملی زندگی سے کس طرح شکر ادا کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت داؤد پر اس وجدانی کیفیت کا اس قدر اثر پڑا کہ وہ فوراً درگاہ
الٰہی میں سربسجود ہو گئے اور طلب مغفرت کرتے ہوئے اعتراف کرنے لگے کہ
خدایا اس عظیم المرتبت ذمہ داری سے سبکدوش ہونا بھی میری اپنی طاقت سے باہر
ہے جب تک کہ تیری اعانت اور مدد شامل حال نہ ہو اللہ تعالیٰ کو حضرت داؤد کا یہ
عمل پسند آیا اور ان کی مغفرت کو اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا۔

ابن خرم اسی سلسلے کو بڑھاتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ استغفار اللہ کی
درگاہ میں ایسا عمدہ عمل ہے کہ اس کے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ اس سے پہلے
گناہ اور مصیبت وجود میں آئے پھر اس کے ردعمل کے طور پر مغفرت کی بجائے

یہی وجہ ہے کہ استغفار ملائکہ اللہ سے بھی ثابت ہے حالانکہ قرآن مجید نے
تصدیق کی ہے کہ ملائکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں
کرتے وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں فرشتوں
کے اس استغفار کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن خرم کے اس بیان کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ حضرت
داؤد کے زیر بحث واقعہ میں قرآن حکیم نے ان کے عصیان اور گناہ کا مطلق کوئی
ذکر نہیں کیا صرف یہ بتایا گیا کہ ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیا گیا اور آزمائش
کے لئے ہرگز ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی گناہ اور خطا سے ہی متعلق ہو جیسا کہ
حضرت ایوب کے ساتھ امتحان کا معاملہ پیش آیا لہٰذا حضرت داؤد کا معاملہ بھی
کسی مصیبت اور گناہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ پیغمبرانہ شان کے مطابق احساس
فرض اور اللہ کے حضور اپنی عبدیت اور بے چارگی کا مظاہرہ تھا۔

قرآن مجید کی زیر بحث آیات معانی و مطالب اگرچہ اس تفصیل کے متحمل
ہیں کہ حضرت داؤد کی پیغمبرانہ جلالت شان اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے تاہم یہ
تفصیل اجتہادی ہے اس لئے کہ اس میں آزمائش کی جو صورت بیان کی گئی
ہے۔

وہ آیت یا کسی حدیث میں مذکور نہیں بلکہ اجتہاد سے تعلق رکھتی ہے۔

اسی واقعہ پر ابو مسلم نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے۔

حضرت داؤد کے سامنے جب دو شخصوں نے بحیثیت مدعی اور مدعا علیہ اپنا
قضیہ پیش کیا تو حضرت داؤد نے مدعی علیہ کو جواب دہی کا موقع دیئے بغیر فقط

مدعی کا بیان سن کر اپنی نصیحت میں اس قسم کی باتیں فرمائیں کہ جن سے فی الجملہ مدعی کی تائید ہوتی تھی اور کیونکہ یہ طریقہ عام حالات میں انصاف کے خلاف تھا اس لئے حضرت داؤد کا یہ ارشاد اگرچہ صرف ناصحانہ انداز میں تھا اور قضیہ کے فساد کی نوبت نہیں آئی تھی تاہم ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے شایان شان نہیں تھا لہذا یہ تھا وہ فتنہ جس میں حضرت داؤد پڑ گئے تھے۔

ابو مسلم ہی اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہتے ہیں مگر جب اس قسم کی لغزش پر اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو فوراً متنبہ کر دیتا ہے تو حضرت داؤد کو بھی متنبہ کیا کہ ان سے قضیہ زیر بحث میں لغزش ہو گئی اور ان کے لئے یہ ابتداء اور آزمائش ہے اس لئے اللہ کی درگاہ میں طالب مغفرت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شرف قبولیت سے نوازا بلکہ ان کے اس پسندیدہ عمل کی وجہ سے ان کی رفعت شان کو اور زیادہ بلند کیا۔

چنانچہ اسی پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو نصیحت فرمائی کہ داؤد تم دنیا کے عام حاکموں اور بادشاہوں کی طرح نہیں ہو جو اکثر و بیشتر حق انصاف سے بے پروا ہو کر اللہ کی مخلوق پر محض ہوائے نفس اور ذاتی غرض کی تکمیل کے لئے حکومت کرتے ہیں تم اللہ کی زمین میں اس کی جانب سے نائب اور خلیفہ ہو اور خدمت خلق تمہاری حیات طیبہ کا طرہ امتیاز ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ ہر لمحہ حق و انصاف کو پیش نظر رکھو اور اس معاملے میں کسی قسم کی لغزش نہ ہونے دو۔

ان دو توجیہات کی مفسرین نے تشریح کی ہے کہ فرضی نہ تھا بلکہ حقیقت پر مبنی

تھا اور فریقین ملائکہ اللہ نہیں تھے بلکہ انسان تھے کیونکہ قرآن مجید کا متن یہی ظاہر کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے تقسیم کار کے پیش نظر اپنی معمولات کو چار حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا تھا کہ ایک دن خالص عبادت الٰہی کے لئے، ایک دن فیصل مقدمات کے لئے، ایک دن خالص ذات کے لئے اور ایک دن بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے تھا۔

لیکن تقسیم ایام کی اس تفصیل میں اس حصے کو زیادہ اہمیت حاصل تھی جو عبادت الٰہی کے لئے وہ مخصوص تھا اس لئے کہ یوں تو مغفرت داؤد کا کوئی دن بھی عبادت الٰہی سے خالی نہ تھا مگر ایک دن کو انہوں نے صرف اس کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور اس میں کوئی دوسرا کام نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن مجید نے ان کے اس وصف کو نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت داؤد حجرہ بند کر کے عبادت، تسبیح اور تحمید کرتے تھے تا کہ کوئی خلل انداز نہ ہو سکے گویا تقسیم ایام میں صرف یہی ایک دن تھا جس میں حضرت تک کسی کا پہنچنا سخت دشوار تھا بنی اسرائیل سے ان کا رابطہ منقطع ہو جاتا تھا باقی ایام میں اگر کوئی خاص ہنگامی صورت حال پیش آ جائے تو حضرت داؤدؑ کے ساتھ واسطہ باقی رہتا تھا اور وہ اپنے معاملات کو ان کی جانب رجوع کر سکتے تھے۔

چنانچہ اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ غور طلب بات

یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبادت الٰہی اور اللہ کی تسبیح اور تمجید ایک مسلمان کا
مقصد حیات ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے جن ہستیوں کو اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت
اور خدمت خلق کے لئے چن لیا ہے ان کے لئے کثرت عبادت کے مقابلے میں
ادائیگی فرض میں انہماک عنداللہ زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔
بلاشبہ ایک صوفی اور مرتاض عابد اور زاہد جس قدر بھی گوشہ گیر اور خلق پذیر
ہو کر عبادت میں مصروف رہتا ہے منصب ولایت کے درجات کو اسی قدر حاصل
کرتا رہتا ہے بلا خلاف منصب نبوت اور منصب خلافت کے کہ اللہ تعالیٰ
جانب سے اس کے فضل اور عطا کی غرض و غایت مخلوق کی رشد و ہدایت اور ان کی
خدمت ہے اس لئے ان کا کمال مخلوق کے ساتھ رشتہ تعلق قائم کر کے احکام الٰہی کو
سر بلند کرنا نا کہ خلوت گزین ہو کر صوفی بننا۔
اپنے اوقات کار کی حضرت داؤد کی یہ تقسیم اگرچہ زندگی کے نظم اور تقسیم کے
لحاظ سے ہر طرح سے قابل ستائش تھی لیکن اس میں ایک دن کو عبادت الٰہی کے
لئے اس طرح مخصوص کر لینا کہ ان کا تعلق مخلوق خاص سے منقطع ہو جائے۔
منصب نبوت اور منصب خلافت کے منافی تھا اور حضرت داؤد جیسے
اولوالعزم پیغمبر خلیفۃ اللہ کے لئے کسی طرح موزوں نہ تھا اس لئے حضرت داؤد
کو اللہ تعالیٰ نے ایک گوشہ نشین عابد اور زاہد اور مرتاض کی حیثیت سے نہیں نوازا
تھا بلکہ ان کو نبوت اور خلافت بخش کر مخلوق کی دینی و دنیاوی ہر قسم کی خدمت اور
ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اس طرح ان کی حیات طیبہ کا شاہکار مقصد
ہدایت خلق اور خدمت خلق تھا نہ کہ کثرت عبادت۔

چنانچہ حضرت داؤد کی اس روش کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو
اس طرح آزمائش اور فتنے میں مبتلا کر دیا کہ دو شخص جن کے درمیان ایک خاص
مناقشہ تھا عبادت کے مخصوص دن میں حجرے کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے
حضرت داؤد نے اچانک خلاف عادت اس طرح دو انسانوں کو موجود پایا تو بہ
تقاضائے بشری گھبرا گئے دونوں نے صورت حال کا اندازہ کرتے ہوئے عرض
کیا کہ آپ خوف نہ کریں ہمارے اچانک اس طرح داخل ہونے کی وجہ یہ قضیہ
ہے اور وہ اس کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ تب حضرت داؤد نے واقعات کو سنا اور مذکورہ
نصیحت فرمائی۔

قرآن مجید نے اس مقام پر قضیہ کے اہم پہلو کو نظر انداز کر دیا کیونکہ ہر فہم
ور سا میں خود بخود آ جاتے ہیں کہ حضرت داؤد نے فیصلہ بلاشبہ حق کے مطابق ہی
دیا ہوگا اور اس نے صرف اسی پہلو کو نمایاں کیا جس کا تعلق رشد و ہدایت سے تھا
یعنی زبردستوں کا زیردستوں کے ساتھ ظلم کرنا۔

غرض فریقین کا فیصلہ کرنے کے بعد حضرت داؤد کو فوراً تنبیہ ہوئی کہ مجھ
کو اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں کس لئے ڈالا ہے اور وہ حقیقت حال کو سمجھ
کر اللہ کی درگاہ میں سر بسجود ہوئے۔ استغفار کی اور اللہ تعالیٰ نے استغفار کو شرف
قبولیت عطا فرما کر ان کی عظمت کو اور دوبالا کر دیا اور پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اے
داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اس لئے تمہارا فرض ہے کہ اللہ کی
اس نیابت کا پورا پورا حق ادا کرو اور خیال رکھو اس راہ میں عدل و انصاف بنیاد کار
رہے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر کبھی افراط و تفریط کی راہ کو اختیار نہ کرنا۔

حضرت داؤد کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعے کی تفصیلات وہ بیان کی
ہیں جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
ہی حضرت داؤد کی آزمائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت داؤد نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں از راہ فخر عرض کیا بارالٰہی
دن میں اور رات میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں گزرتی کہ داؤد یا آل داؤد میں
سے کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی تیری تسبیح اور تحمید میں مشغول نہ رہتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے مقرب پیغمبر داؤد کا یہ فخریہ انداز پسند نہ آیا وحی آئی۔

"داؤد یہ جو کچھ بھی ہے صرف ہماری اعانت اور ہمارے فضل و کرم کی وجہ
سے ہے ورنہ تجھ میں اور تیری اولاد میں یہ قدرت کہاں کہ اس نظم پر قائم رہ سکے
اور جبکہ تو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں تم کو آزمائش میں ڈالوں گا۔"

حضرت داؤد نے عرض کیا۔"خدایا ایسا ہو تو پہلے سے مجھ کو اطلاع دے دی
جائے لیکن آزمائش کے معاملے میں حضرت داؤد کی استدعا قبول نہیں ہوئی
اور حضرت داؤد کو اس طرح فتنہ میں ڈال دیا گیا جس کا ذکر قرآن مجید میں
کیا گیا ہے۔

یعنی حضرت داؤد اس قضیہ کا فیصلہ دینے پر تسبیح اور تحمید سے محروم ہو گئے اور
حسب اتفاق آل داؤد میں سے بھی اس وقت کوئی عبادت الٰہی میں مصروف نہ تھا۔

ساری تفصیل کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ حضرت داؤد کے ساتھ یہ جو معاملہ
پیش آیا یہ کوئی گناہ کا معاملہ تھا اور نہ معصیت کا بلکہ حضرت داؤد جیسے اولوالعزم پیغمبر
کے شایان شان نہیں تھا اس لئے ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے متنبہ کر دیا گیا۔

بہرحال بنی اسرائیل نے جو حضرت داؤد پر اوریا کی بیوی کا الزام لگایا تو یہ
کوئی نئی بات نہیں اس لئے کہ ایسے ہی الزام بنی اسرائیل حضرت نوح اور
حضرت نوح علیہ السلام کے علاوہ دیگر پیغمبروں پر بھی لگا چکے ہیں اور یہ ان کا
وطیرہ اور ان کی عادت ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے سرکردہ لوگ جب کسی
گناہ میں ملوث ہوتے تو وہی گناہ اپنے پیغمبروں پر عائد کر دیتے تاکہ لوگ یہ
سمجھیں کہ وہ گناہ صرف وہی نہیں کر رہے اس سے پہلے جو پیغمبر ہوئے وہ بھی یہ
کام کرتے رہے ہیں۔

☆☆☆

حضرت داؤد کی زندگی کے حالات اور واقعات نے ہمارے لئے جن
بصیرتوں اور عبرتوں کو پیش کیا ہے وہ اگرچہ بہت وسیع دائرہ رکھتی ہیں تاہم ان میں
سے چند اہم حقائق اور بیش بہا نتائج خصوصیت کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

اول: جب اللہ تعالیٰ کسی ہستی کو اولوالعزم بنانا، اس کی شخصیت کو خاص فضائل
سے سرفراز کرنا چاہتا ہے تو اس کے فطری جوہروں کو شروع ہی سے چمکا دیتا ہے
اور اس کی قسمت ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح روشن نظر آنے لگتی ہے چنانچہ
حضرت داؤد کو جب پیغمبر اور اولوالعزم رسول بنانا تھا تو زندگی کے ابتدائی دور ہی
میں فلسطینیوں کے بادشاہ جالوت جیسے جابر اور قاہر بادشاہ کو ان کے ہاتھ سے قتل
کرا کر ان کی ہمت، شجاعت اور ان کے عزم صمیم اور ثبات راسخ کے جو اس طرح
نمایاں کر دیا کہ تمام بنی اسرائیل ان کو اپنا محبوب قائد اور رہنما تسلیم کرنے لگے۔

دوئم: بسا اوقات انسان ایک چیز کو معمولی سمجھ لیتا ہے لیکن حالات اور

واقعات بعد میں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بے بہا شے ہے چنانچہ حضرت داؤد کے
بچپن کے حالات میں اور مجاہدانہ حمایت حق اعتصام اللہ کے ساتھ دعوت حق
اور سرفرازی نبوت کے حالات کے درمیان جو فرق ہے وہ خود اس دعوے کی
شہادت ہے۔

سوئم: خلیفۃ اللہ اور طاغوتی بادشاہ کے درمیان ہمیشہ یہ فرق نظر آئے گا کہ
اول ذکر میں ہمہ قسم کی شوکت اور سطوت کے باوجود فروتنی، تواضع اور خدمت خلق
نمایاں خدوخال کے ساتھ پائے جائیں گے اور ثانی ذکر میں کبر، انانیت جبر اور
قہرمانیت کا غلبہ ہوگا اور وہ مخلوق اللہ کو اپنی راحت اور عیش کا آلۂ کار سمجھے گا۔

چہارم: قانون الٰہی ہے کہ جو ہستی عزت اور عروج پر پہنچنے کے بعد جس قدر اللہ
کا شکر اور اس کے فضل و کرم کا اعتراف کرتی ہے اسی قدر اس کو بیش انعام و اکرام
سے اور زیادہ نواز اجاتا ہے حضرت داؤد کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے۔

پنجم: مذہب اور دین اگرچہ طہارت نفس سے زیادہ تعلق رکھتا ہے لیکن مادی
طاقت خلافت اس کی بڑی پشت پناہ ہے یعنی دین ملت دینوی اور دنیاوی
اصلاح حال کا کفیل ہے اور خلافت اور طاقت اس کے بتائے ہوئے نظام میں
عدل کی محافظ ہے چنانچہ حضرت عثمان کا یہ قول بہت مشہور ہے۔

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ صاحب طاقت خلیفہ کے ذریعے مدافعت کا وہ کام
لیتا ہے جو قرآن کریم کے ذریعے انجام نہیں پاتا۔"

ششم: اللہ تعالیٰ نے عطائے ملک اور حکومت کے لئے قرآن مجید کی مختلف
آیات میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کو یہ

یقین پیدا کرنا چاہئے کہ ملک اور حکومت کی عطا اور اس کا سلب صرف اللہ تعالیٰ
کے قدرت میں ہے چنانچہ دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں باجبروت سلاطین کی
تاریخ اس کی زندہ شہادت ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ ہی شاہی
اور جہاں داری کا مالک ہے جسے چاہے ملک بخش دے جس سے چاہے ملک
لے لے جسے چاہے عزت دے دے جسے چاہے ذلیل کر دے، اللہ کے ہاتھ
میں بھلائی ہے بے شک وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے لیکن اس نے اس
بخشش اور عطا اور سلب و نزع کا ایک قانون مقرر کر دیا ہے۔"

قانون یہ ہے کہ اقوام و امم کو حکومت و سلطنت دونوں طرح حاصل ہوتی
ہے ایک وراثت الٰہی کی معرفت دوسری دنیاوی اسباب کی معرفت۔

پہلی صورت میں جب کسی قوم کو حکومت عطا ہوتی ہے تو اس کے عقائد
اور اعمال میں پوری طرح وراثت الٰہی کارفرما ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا
رشتہ عقیدت بھی صحیح طرح استوار ہو اور وہ انفرادی اور اجتماعی اعمال میں بھی
اصلاح اور خیر کے اس درجہ پر فائض ہو کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس
کو صالحین میں شمار کیا جا سکے۔

یہ قوم بے شک اس کی مستحق ہے کہ وہ اللہ کے اس انعام سے بہرہ ور ہو جس
کا عنوان خلافت الٰہیہ ہے اور درحقیقت دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا مظہر انبیاء
اور رسل کی پاک وراثت ہے۔

اللہ کا وعدہ ہے کہ جو قوم بھی عقائد اور اعمال میں انبیاء اور رسل کی وراثت
سے فیض یاب ہے وہ وراثت ارضی کی بھی مالک ہوگی اور اگر دنیاوی اسباب

وسائل کے پہاڑ بھی اس کے حصول کے درمیان حائل ہوں گے تو ان سب کو زیر
زبر کر کے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
''اور ہم نے بلاشبہ زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا کہ اللہ کی زمین کے
وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''
دوسری جگہ فرمایا۔
''بے شک زمین اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اپنے بندوں میں سے جس کو
چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی مشیت کا یہی فیصلہ ہے کہ زمین کی وراثت انہیں کو نصیب ہوتی
ہے جو اس کے صالح بندے ہیں اگر کسی قوم اور امت میں یہ صلاحیت موجود نہیں
ہے تو خواہ وہ مدعی اسلام ہی کیوں نہ ہو اسکو وراثت ارض نصیب نہیں ہو سکتی۔
اور خلافت الہیہ اس کا حق نہیں بن سکتی نہ ہی اس قوم کی عظمت عزت کے
لئے اللہ کے پاس کوئی وعدہ ہے البتہ اللہ کی مشیت اپنی حکمت مصلحت کے پیش
نظر کائنات کے نظم و انصرام کی خاطر جس کو چاہتی ہے حکومت عطا کر دیتی ہے اور
جس سے چاہتی ہے سلب کر لیتی ہے اور اس عطا و سلب میں اس کا قانون قدرت
اس طرح کار فرما رہتا ہے جس طرح اسباب کو لگن کے ساتھ پیوند لگانے میں کار
فرما ہے اور اس عطا و نزع کے لئے اس کی قدرت مختلف اور بے شمار مصالح
ہوتے ہیں کہ انسان ان کی حقیقت تک رسائی سے عاجز ہے۔
اس سلسلے میں سب سے بھیانک اور بد بخت صورت یہ ہے کہ مسلمان غلام
اور محکوم ہوں کفر و شرک کی حکومت ان پر صاحب اقتدار ہو گویا یہ اللہ کا ایک ایسا

عذاب اور عتاب ہے جو مسلمانوں کے لئے بداعمالیوں اور اصلاح و خیر کے لئے
فقدان کی وجہ سے منظر میں آتا ہے اور اس حالت میں مقام عبرت یہ ہوتا ہے کہ
صاحب تاج و تخت کو اس لئے حکومت نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش
ہے بلکہ اس لئے عطا کی جاتی ہے کہ زمین کی ملکیت کے حقیقی وارثوں نے اپنی
بدکرداریوں کی وجہ سے استحقاق وراثت کو ہاتھ سے کھو دیا اور اب کائنات کے
مصالح عامہ کے پیش نظر حکومت کے لئے نہ مسلم کی شرط اور نہ کافر اور مشرک کی۔
اگر چہ مسلمان چشم عبرت وا کریں اور اپنی نامساعد زندگی میں انقلاب برپا
کر کے صالحین کا طرہ امتیاز حاصل کر لیں تو اللہ کا وعدہ بھی ان کو بشارت دینے
کے لئے آگے بڑھتا ہے اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ان لوگوں سے جو تم میں ایمان والے ہیں
اور نیک کام کرنے والے ہیں البتہ بعض کو حاکم کر دے گا۔ ان کو ملک میں جیسا
حاکم کیا تھا جیسا ان کے اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین جو پسند کریں
ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے خوف کے بدلے میں امن۔''

☆☆☆

حضرت داؤد اور ان کے دور کا کمال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایسی حکومت
اور بادشاہت نصیب ہوئی کہ جس کی طاقت اور قوت کے سامنے آس پاس کے
ہمسائے ٹھہر نہ سکے ورنہ اس سے پہلے فلسطینی اور آس پاس کی دوسری اقوام ان پر
چڑھ دوڑتی تھیں چنانچہ جب بنی اسرائیل کے بادشاہت کی تاریخ کا آغاز ہوتا
ہے تو بادشاہی کے ماتحت عبرانیوں نے اپنے اندر وہ قومی خصوصیتیں پیدا کر لیں

جو دورِ حاضر میں نیشنلزم یا قوم پیروی کی خصوصیتیں سمجھی جاتی ہیں تاہم وہ اس کے سیاسی پہلو کو نظر انداز کر گئے تمام قدیم سامی گروہوں میں سے صرف سامی تھے جنہوں نے نہایت تیز نیشنلزم کو نشو و نما دی اور صرف وہی ہیں جنہوں نے اپنی قومی صفات نیز انفرادیت بحال رکھی یقیناً مذہب نے ان کے اتحاد اور تعاون نے سب سے بڑھ کر مدد کی۔

ان کے ہمسایوں مثلاً ادومیوں جو آبیوں اور اموریوں کے ہاں بادشاہی کے سلسلے جاری تھے فلسطینیوں کے ہاں بادشاہ نہیں حاکم ہوتے تھے جنہوں نے ایک ڈھیلا ڈھالا وفاق قائم کر رکھا تھا فونیقیوں کے ہاں شہری ریاستیں تھیں جن میں سے بعض مثلاً۔ ببلوس میدہ اور صور قومی ریاستوں کا درجہ حاصل کر چکی تھیں لیکن بنی اسرائیل کے ہاں صرف قاضی تھے یعنی وہ لیڈر جو ضرورت پیش آنے پر اچانک بروئے کار آ جاتے تھے۔

چنانچہ فلسطینیوں کے ساتھ کشمکش جب تیز ہوئی تو اسرائیلی قوم کے بزرگ مذہبی رہنما اسی بناء پر حضرت سموئیل کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ آپ ہمارے لئے بادشاہ مقرر کر دیں جو اور قوموں کی طرح ہماری عدالت کرے۔

بنی اسرائیل نے ایسا اس لئے کہا تھا کہ آس پاس کی اقوام میں بادشاہت تھی اور پھر وہی اقوام ان پر حملہ آور ہو کر آئے دن ان کے نقصان اور ان کے قتل عام کا باعث بنتی تھی۔

چنانچہ حضرت سموئیل نے ایک ایسے شخص کو بادشاہ مقرر کیا جو قد آوری میں لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے طالوت اس کا نام تھا اور 1020 میں تیل

کی اس کے سر پر انڈیلی اسے بادشاہ نامزد کر دیا۔

گویا بادشاہی کا نظریہ ہی باہر سے نہ لیا گیا بلکہ اس کا نظام بھی صریحاً ہمسایہ حکومتوں کے نظام میں ڈھال لیا گیا البتہ دو حقیقتوں سے یہ نظام ممتاز تھا اول قبائلی تنظیم انتظامی مقاصد کے لئے باقی رکھی گئی دوئم بادشاہ کے لئے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکومت کرے اس طرح یہ حکم نبیوں کے ذریعے الہام ہوئے تھے۔

پہلا یہودی بادشاہ قائم کردہ امیدیں پوری نہ کر سکا بلکہ وہ ناکام رہا اس کا کردار کمزور تھا اور طبیعت میں سودایت تھی وہ اپنے وطن میں بدوی شیخ کی طرح خیمہ لگا کر رہتا تھا اس کی چھوٹی سی بادشاہت ابتداء میں اس کے اپنے قبیلے یعنی بنیامین کی حدود سے آگے نہ جا سکی۔

لیکن اس کا انتخاب بجائے خود فلسطینی آقاؤں کے خلاف بغاوت کے مترادف تھا لمبی مدت تک کشمکش جاری رہی آخر فلسطینیوں نے جربوعہ کی لڑائی میں اس کے تین بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہ خود سخت زخمی ہوا اور خودکشی کر لی چنانچہ اس کے بعد عبرانی بادشاہت کے اصل بانی حضرت داؤد ہی کہلاتے ہیں۔ آپ کا زمانہ 1460 قبل مسیح تک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ طالوت کے اسلحہ بردار تھے فلسطینیوں کی سیاست میں ان کی بادشاہت کا آغاز ہوا لیکن انہوں نے محض کامل آزادی نہ حاصل کر لی بلکہ اپنی بادشاہی کی حدیں اس قدر پھیلا لیں کہ نہ صرف یہ کہ اس سے پہلے کبھی پھیلی تھیں نہ بعد میں پھیلیں حضرت داؤد نے مہموں کا ایک سلسلہ جاری کر دیا اس طرح عبرانیوں کی

گردنیں فلسطینیوں کے جوے سے آزاد کرالی علاوہ ازیں آس پاس کی قوموں
یعنی ادوم، موآب اور آمور کو مسخر کرلیا اور زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ نشینی شام
کے آرامی علاقوں کو بنی حمات شہر تک اپنے قبضے میں لے لیا۔
حضرت داؤد کے لشکر دمشق کے بازاروں میں بھی نکلے غرض آپ کی قائم
کردہ سلطنت حد درجہ قوی قومی سلطنت تھی جس کی کوئی مثال فلسطین کی تاریخ
میں نہیں ملتی۔

ادوم کی تسخیر سے شام عرب کا تجارتی راستہ اسرائیلی یعنی عبرانی سلطنت کے
قبضے میں آ گیا تھا اس چھوٹے سے ملک یا اس کے دو شمالی ہمسایہ علاقوں موآب
اور عمون میں تیرہویں صدی قبل مسیح سے بیشتر کبھی کسی بادشاہی کا ذکر نہیں سنا گیا۔
ایک صدی پیشتر آرامیوں کے کچھ قبیلے اس خطے میں آباد ہو گئے تھے جو
بیسویں صدی قبل مسیح سے خانہ بدوشوں کو جولان گاہ چلا آتا تھا بیسویں صدی قبل
مسیح سے بیشتر تہذیب کے تمام آثار ہکسوس اور آرامیوں نے برباد کردیئے
موجودہ زمانے میں جو چھان بین کی گئی ہے اس میں مشرقی اردن کے اندر اس
طویل مدت کی کوئی قابل ذکر چیز دستیاب نہیں ہوئی۔
حضرت داؤد ہی کے دور میں عبرانی سلطنت کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اس کی
حدیں پھیل گئیں اس کے ہمسائے مسخر ہو گئے حضرت داؤد نے عارضی طور پر اپنی
قوم میں وحدت پیدا کردی انہوں نے سرکاری طور پر مردم شماری کرائی یہ پہلی
مردم شماری ہے جس کا ذکر تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے اس وقت ان کے ملک
کی کل آبادی غالباً چھ یا سات لاکھ ہوگی مرکز حکومت کے لئے حضرت داؤد نے

یروشلم کو چنا جو یبوسیوں کا مستحکم حصار تھا حضرت داؤد نے اس کو چھین لیا تھا یہ جگہ
بہت اچھی تھی شہر ابتدائی قبائلی آبادیوں سے باہر تھا اور سلطنت کے جنوبی اور شمالی
حصوں کی سرحد پر واقع تھا اور ملک کے اندرونی حصے کی ایک نہایت اہم شاہراہ
کی حفاظت اس کے ذریعے ہو سکتی تھی۔
یعنی وہ شاہراہ جو شمالاً جنوباً اردن کی غربی سطح مرتفع سے گزرتی تھی نیز اس کی
حفاظت نہایت آسان تھی یہیں حضرت داؤد نے اقامت اختیار کرلی اور پتھر کا
ایک محل تعمیر کرایا جس میں لبنان کے دیودار استعمال کئے گئے صور کے معماروں
اور نجاروں نے یہ کام انجام دیا جنہیں حضرت داؤد کے دوست فونیقی بادشاہ
حیرام نے بھیجا تھا۔
981 سے 939 قبل مسیح میں صور اور اسرائیل کے درمیان دوستی دونوں
کے فائدے پر مبنی تھی صور میں غلہ بہت کم پیدا ہوتا تھا اسرائیل کے پاس عربی
تجارت کا کوئی ذریعہ نہ تھا محل کے علاوہ حضرت داؤد نے ایک قومی معبد بھی نئے
دارالحکومت میں بنوایا جو اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص تھا اس طرح اللہ کا دین
متحدہ حکومت کا سرکاری دین بن گیا عبرانیوں یعنی اسرائیلیوں کے لئے حضرت
داؤد ایک مثالی بادشاہ تھے۔
حضرت داؤد کے ماتحت جو جنگی آدمی تھے عبرانی ادبیات کا آغاز ہوا وہ
آگے چل کر قدیم مشرق کی نہایت بیش قیمت اور رفیع القدر میراث بن گئے یہی
زمانہ ہے جس میں مذکرہ نام کا عہدہ وجود میں آیا اس عہدے کا سرکاری فرض یہ
تھا کہ تمام اہم واقعات لکھتا جائے اور سرکاری احوال کا ریکارڈ قائم رکھے۔

ایسے محرر حضرت داؤد نے فونیقیوں میں سے لئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ
آگے چل کر کاہنوں نے بھی سرکاری ریکارڈوں کی طرح متوازی دستاویزات کا
بندوبست کرلیا تھا انہیں دستاویزات سے ابتدائی بادشاہت کے واقعات لئے
گئے اور انہیں جزو اعہد نامہ قدیم میں شامل کرلیا گیا۔

اس دور کا مورخ جو بھی ہو اپنی معلومات واضح انداز میں بالکل موضوعی نقطہ
نگاہ سے پیش کرتا ہے وہ حضرت داؤد کے حالات کو بادشاہی کی حیثیت سے نہیں
بلکہ انسان کی حیثیت میں بیان کرتا ہے اور لکھنے کا انداز ایسا ہے جو صرف معاصر
ہی اختیار کرسکتا ہے۔

یہ تحریریں تاریخی اسلوب کا شاہکار ہیں اس سے پہلے اس طرح کی کوئی
تاریخ نہیں لکھی گئی تھی یہ نامعلوم مورخ جو وقت کے اعتبار سے بہت قدیم
زمانے کا ہے عجیب بات یہ ہے کہ تحریر سے موجودہ زمانے کا معلوم ہوتا ہے
حضرت داؤد کی شاعری اور موسیقی کی خداداد صلاحیتوں نے بھی آنے والی نسلوں
پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ ان نسلوں نے متعدد مزامیر ان سے منسوب کردیے یہ مزامیر
جو زبور میں شامل کرلئے گئے تھے اتنے ہمہ گیر اور اس درجہ زمانہ وقت سے بالا
ہیں کہ آج بھی انہیں روحانی رفعت اور روحانی جذبات کا مصور مانا جاتا ہے۔

آپ کے بادشاہ ہونے تک بنی اسرائیل کی مرکزی شہر حبرون تھا مورخین
لکھتے ہیں کہ طالوت کے بعد بنی اسرائیل نے جب متفقہ طور پر حضرت داؤد
کو اپنا بادشاہ بنالیا تو ان کا بھی ابتدائی دارالحکومت حبرون ہی تھا اور بیت المقدس
پر اس وقت یبوسی نام کی ایک قوم قابض تھی حضرت موسیٰ کے بعد یوشع بن نون

1451 قبل مسیح میں فلسطین میں داخل ہوئے اور بیت المقدس پر حملہ کیا اس وقت
صدق یروشلم کا حکمران تھا اور حبرون پر یرموت بادشاہت کرتا تھا اور آس پاس
کے تین اور بادشاہ ان کے معاون اور مددگار تھے اور یہ سب کے سب آموری
قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔

سب سے پہلے یوشع بن نون نے انہی ججون کے مقام پر شکست دی اور یہ
پانچوں بادشاہ ان کے ہاتھوں مارے گئے اس طرح پہلی بار کنعان پر بنی اسرائیل
کا قبضہ ہوگیا۔

بائبل کے مطابق یروشلم اس وقت بھی مقدس شمار ہوتا تھا اسرائیل نے
کامیابی کے بعد حبرون کو اپنا دارالحکومت قرار دیا ان کی سلطنت اردن، شام،
یمن کی سرحدوں تک جا پہنچیں حضرت یوشع بن نون کی آمد سے پانچ سو سال قبل
اور بعد تک برنجی دور تھا اور مقامی لوگ تانبے میں ٹین ڈال کر نئی دھات کا
استعمال کرنے لگے تھے۔

بائبل گواہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر کے فرعونوں کے تحت ذلت کی زندگی
گزارنے اور چالیس سال تک وادی تیر میں بھٹکنے کے بعد فلسطین میں داخل
ہوئے تو اس وقت حضرت ابراہیم کے انتقال کو تقریباً پانچ سو برس بیت چکے تھے
اس وقت بہر حال بنی اسرائیل خداپرست اور اللہ کے احکام بجالانے والے تھے۔

بائبل ہی کے بیان کے مطابق یوشع بن نون نے ارض فلسطین کی تقسیم میں
یروشلم شہر کو یہودہ کے قبیلے کو دیا مگر ساتھ ہی بائبل یہ بھی کہتی ہے کہ یہودہ نے
اپنے بھائی شمعون کی مدد سے لڑ کر اس شہر پر قبضہ کیا۔

یہ واقعہ 1400 قبل مسیح کا ہے اور بائبل یہ بھی کہتی ہے کہ باوجود یہ کہ بنی یہودہ نے یروشلم کو فتح کر کے یہاں کے لوگوں کو تہہ تیغ اور شہر کو تباہ کرنے میں فراخدلی دکھائی تھی اور بنیامین جنہیں یہودہ آگے بڑھتے ہوئے شہر کی نگرانی سونپ گیا تھا یبوسیوں کو جو یروشلم میں رہتے تھے نہ نکال سکے۔

یہی بنی اسرائیل کی سب سے بڑی غلطی تھی اور پھر جب بنی اسرائیل طاقت کے نشے میں راہ ہدایت سے بھٹک گئے انہوں نے احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور وہ جذبہ جس نے انہیں فاتح بنایا تھا دم توڑ گیا پھر وہ ذلیل ہو گئے البتہ کبھی کبھار ان میں سے کسی کی غیرت ایمانی بھڑک اٹھتی وہ ان کے جذبے کو ہوا دیتا اور یہ وقتی طور پر ابھر آتے لیکن اس کی موت کے بعد پھر ذلت اور رسوائی کے قہر میں ڈوب جاتے تھے۔

یہاں تک کہ انہی یبوسیوں نے طاقت اور قوت پکڑ لی اور انہوں نے اسرائیلیوں کو مار مار کر انہیں یروشلم سے باہر نکال دیا ایک بار پھر انہوں نے یروشلم پر قبضہ کر لیا اس دور میں بنی اسرائیل پر قاضی حکومت کرتے تھے لیکن قومی زندگی طوائف الملوکی کا شکار تھی ہر شخص خود اپنی مرضی کا مالک تھا قاضی اور کاہن اپنی قوم کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں میں برابر کے شریک تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کے لئے حضرت سموئیل کو معبوث کیا۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ سموئیل نبی کی آمد تک یہودی باقاعدہ قوم کی شکل اختیار نہیں کر سکے تھے بلکہ ان کے قبائل کی انفرادیت برقرار تھی اور وہ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے اس صورت حال نے

انہیں شدید نقصان پہنچایا۔

اس کے بعد جب طالوت بادشاہ بنا اور طالوت کے بعد بنی اسرائیل نے متفقہ طور پر حضرت داؤد کو اپنا بادشاہ بنا لیا تو ان کا ابتدائی دارالحکومت حمرون شہر ہی تھا اور بیت المقدس پر یبوسی قابض تھے۔

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد نے اسرائیلیوں کی متحدہ طاقت کے ساتھ جنوب سے شہر یروشلم پر حملہ کیا زیریں حصہ باآسانی فتح ہو گیا مگر بالائی حصے کے مکیں ڈٹے رہے اور حضرت داؤد کی یوں تضحیک کی کہ لولے لنگڑے لوگ فصیل شہر پر لے جا کر کھڑے کر دیئے اور حضرت داؤد کو پیغام بھجوایا کہ پہلے انہیں قابو میں لائے۔ اس پر حضرت داؤد نے زبردست حملہ کیا اور آخر بالائی شہر فتح ہو گیا حضرت داؤد کے لشکر کی تعداد اس وقت تقریباً دو لاکھ اسی ہزار تھی شہر پر قبضے کے بعد حضرت داؤد نے یبوسیوں کو شہر بدر کر دیا اس سے پورے فلسطین پر ان کی حکومت قائم ہو گئی اور ان کی عظمت میں زبردست اضافہ ہوا۔

حضرت داؤد کے یوں طاقت اور قوت پکڑنے کی وجہ سے ہمسایہ سلطنتیں خوف زدہ ہو کر متحد ہوئیں اور حضرت داؤد پر حملہ کرنے کی ٹھانی مگر وہ یروشلم تک نہ پہنچ سکیں بلکہ رفاعین کی وردی میں شکست کھا کر پسپا ہوئیں جس کے بعد حضرت داؤد کی طاقت سے مرعوب ہو کر بہت ہمسایہ حکمرانوں نے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔

جنگ کے اس دور میں حضرت داؤد نے بالائی اور زیریں شہر یروشلم کو ایک کر دیا اور شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر کروائی اس کے علاوہ جبل زیتون پر

شاہی محل اور وادی میں شاہی باغ تعمیر کروایا یہ پہلا موقع تھا کہ بنی اسرائیل نے اس طرح یروشلم پر قبضہ کیا۔

حضرت داؤد کے پینتیس سالہ دور حکومت میں اسرائیلی لشکریوں کو سکون بہت کم ملا البتہ ان کی جنگوں کا نتیجہ ان کے حق میں مفید ثابت ہوا بنی اسرائیل جواب تک قبائلی عصبیت کا شکار مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ایک قوم بن گئے بنی اسرائیل کے عزو وقار میں اضافہ ہو گیا مال غنیمت اور دوستی کے خواہاں حکمرانوں کے نذرانوں سے خزانہ بھر گیا شہر کی دولت میں زبردست اضافہ ہوا اور لوگ خوشحال ہو گئے۔

اس کے علاوہ تابوت سکینہ جس میں حضرت یوسف کی ہڈیاں اور کپڑے بند تھے جسے حضرت موسیٰ مصر سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت داؤد سے قبل فلسطینی اسرائیلیوں کو شکست دے کر اسے اپنے ساتھ اپنے شہر اشدود لے گئے تھے حضرت داؤد کی زبردست خواہش تھی اس کے لئے ایک مستقل گھر بنائیں تاکہ محفوظ رہے۔

لیکن اسرائیلیات کے مطابق اللہ نے انہیں بتایا کہ اللہ کا مستقل گھر ان کے بیٹے کے عہد میں تعمیر کیا جائے گا۔ اس سے وہ بددل نہیں ہوئے بلکہ وہ اس کی تعمیر کے لئے ضروری سامان جمع کرتے رہے انہوں نے سونا چاندی لوہا اور پیتل جمع کیا لبنان سے دیودار کی لکڑی منگوائی آرائش کے لئے مختلف علاقوں سے پتھر تک حاصل کئے۔

الغرض وہ اپنے بیٹے حضرت سلیمان کا کام آسان بنانے کے لئے متواتر

مصروف رہے یہاں تک کہ آخری دنوں میں اپنے بیٹے سلیمان کو اس گھر معبد یا ہیکل کا وہ خاکہ بھی تفصیلاً سمجھا دیا جسے انہوں نے عالم رویا میں دیکھا تھا۔

پھر جب حضرت سلیمان تخت نشین ہوئے اور ان کی سلطنت یمن اور دوسری طرف فرات تک پھیل گئی تو انہوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کرائی ہیکل اس جگہ تعمیر ہوا جسے حضرت داؤد نے منتخب کیا تھا مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی کبھی بھی اچھے معمار نہیں رہے اس لئے ہیکل کی تعمیر کے لئے لبنان اور مصر سے معمار منگوائے گئے ہیکل کی تعمیر سات سال تک جاری رہی اور دو لاکھ آدمی مسلسل کام کرتے رہے بے انتہا دولت خرچ ہوئی حضرت داؤد وراثت میں ایک کروڑ تیس ہزار پاؤنڈ سونا اور ایک ہزار دو سو ستر ہزار پاؤنڈ چاندی چھوڑ گئے تھے اس دولت کے علاوہ دوست شہزادوں کے نذرانے اور دنیا کے ذرخیز ترین خطے کا سات سالہ آمدنی کا ذخیرہ بھی اسی صرف ہوا اور یوں وہ ہیکل تعمیر ہوا جس کی خواہش کا اظہار حضرت داؤد نے کیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "عالم بالا میں جب حضرت آدم کی صلب کو نکال کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے ایک خوبصورت چمکتی ہوئی پیشانی والے شخص کو دیکھ کر دریافت کیا۔ "پروردگار یہ کون ہے؟"

جواب ملا۔ "تمہاری ذریت میں سے بعد میں آنے والی ہستی داؤد ہے۔"

حضرت آدمؑ نے کہا۔ "اس کی عمر کیا مقرر کی گئی ہے؟" ارشاد ہوا کہ "ساٹھ سال۔"

حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ "یا الٰہی میں اپنی عمر کے چالیس سال اس
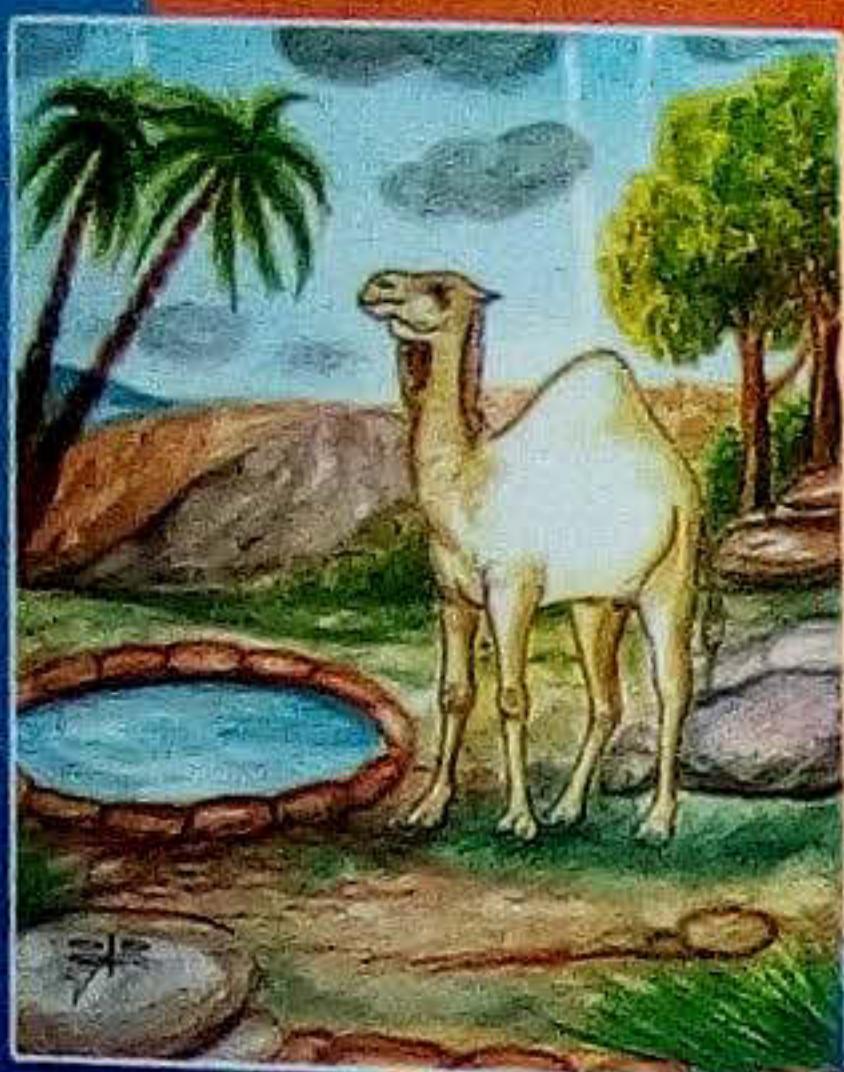
نوجوان کو بخشتا ہوں۔'' مگر جب حضرت آدم کی وفات کا وقت آیا تو حضرت آدم
نے ملک الموت سے کہا کہ ''ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔''
فرشتے نے کہا۔ ''آپ بھول گئے آپ نے اس قدر حصہ اپنی عمر کا اپنی نسل میں
سے داؤد کو بخش دیا تھا۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کی عمر سو سال کی ہوئی
اور توریت کے باب سلاطین اور توریخ میں حضرت داؤد نے کہن سالی میں
انتقال فرمایا اور اسرائیلیوں پر لگ بھگ چالیس سال حکومت کی اس سلسلے میں
توریت کہتی ہے اور داؤد بن لیسی نے سارے اسرائیلیوں پر حکومت کی اور وہ
عرصہ جس میں اس نے اسرائیل پر سلطنت کی چالیس برس کا تھا اس نے حبرون
میں سات برس اور یروشلم میں پینتیس برس سلطنت کی اور اس نے بڑھاپے میں
خوب عمر رسیدہ ہو کر اور دولت و عزت سے آسودہ ہو کر وفات پائی۔
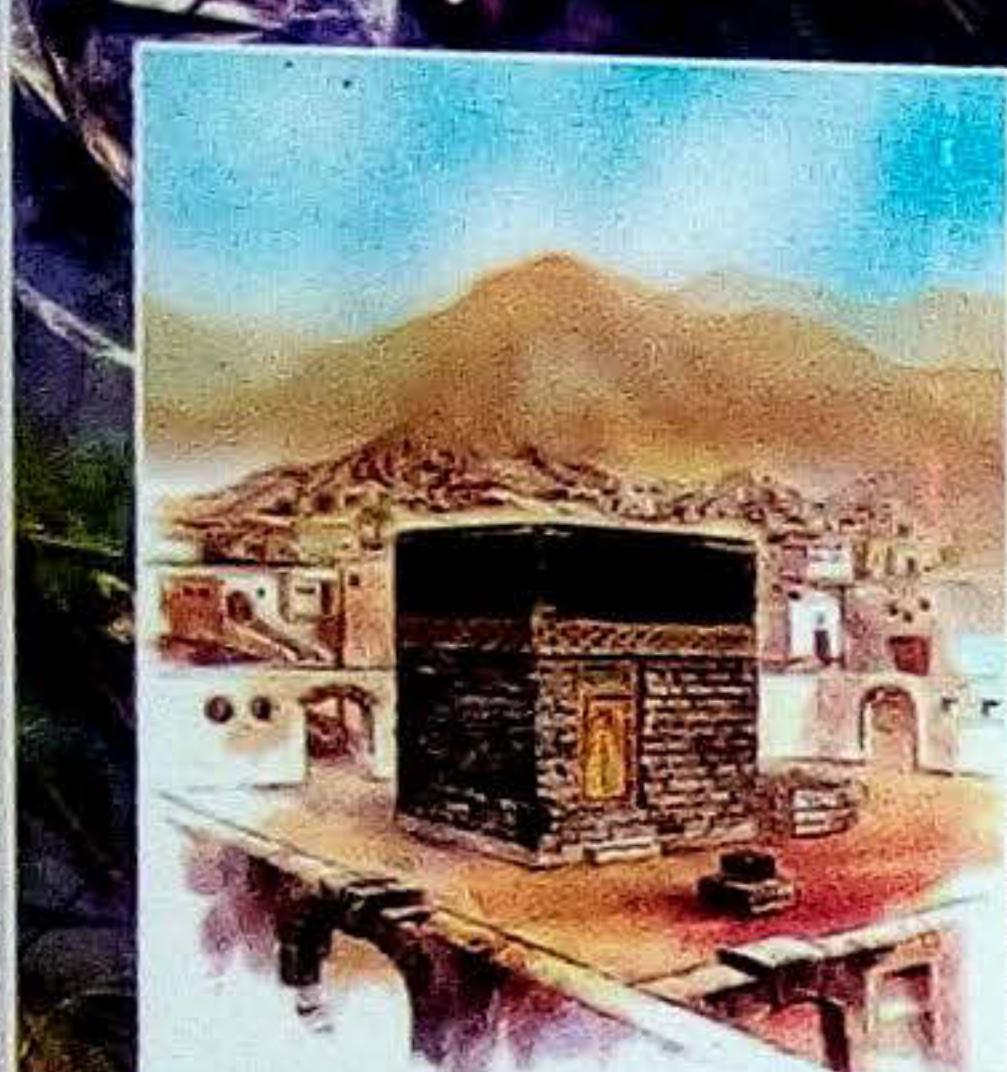
جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے ستر سال حکومت کی اور حضرت
عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا
وہ سبت کے روز مقررہ عبادت میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پرلے
باندھے ہوئے ان پر سایہ فگن تھیں کہ اچانک اس حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔
آپ کے انتقال سے متعلق توریت کہتی ہے۔ ''داؤد اپنے باپ دادا کے
ساتھ سو گیا اور شہر صیہون میں دفن ہوا۔''

☆☆☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت صالح علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام